الموسس حجۃ الکاملین امام الواصلین امیر ملت حضرت مولانا
الحاج پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

May, June, 1964

ماہنامہ

انوار الصوفیہ

قصور

مدیر اعلیٰ
غلام رسول گوہر

مقام اشاعت کوٹ عثمان خاں قصور ضلع لاہور

انوار الصوفیہ رسالہ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے انجمن خدام الصوفیہ کے زیر اہتمام ۱۹۰۴ کو شروع کروایا تھا رسالہ انوار الصوفیہ کی ۴۲ جلدیں مہیا کرنے پر جناب محمد محمود صاحب کا مشکور ہوا اور ان رسائل کا سکین کا تمام کام شیخ معزالدین فاؤنڈیشن کے بانی جناب پروفیسر محمد عاطف صاحب نے کروایا ہے،(بختیار حسین جماعتی) رسائل کی لسٹ درج ذیل ہے

پروفیسر محمد عاطف
خلیفہ مجاز شیخ معزالدین طالبی جماعتی

شیخ معزالدین فاؤنڈیشن لاہور

1 1950 February
2 1950 March
3 1959 May June
4 1959 Sept October
5 1961 March
6 1961 September
7 1961 October Nov
8 1962 April
9 1962 January
10 1962 November
11 1962 December
12 1963 March
13 1964 May JUne
14 1964 JUNE
15 1965 March
16 1966 September
17 1966 October
18 1966 November
19 1967 October
20 1968 October Nov
21 1971 Agust
22 1971 December 1972 Jan
23 1971 May
24 1971 July
25 1971 Semptember
26 1972 April
27 1973 January
28 1973 September
29 1973 October
30 1973 November
31 1974 February
32 1974 April
33 1974 May June
34 1974 July
35 1974 May June
36 1975 Agust
37 1975 July
38 1975 May
39 1975 September
40 1976 Nov Dec
41 1976 Sep Oct
42 1977 March April

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہادت نمبر

بفیض روحانی اعلیٰحضرت عظیم البرکت سراج الملت والدین مولانا الحاج حافظ علامہ پیر سید محمد حسین شاہ صاحب قدس سرہٗ بسرپرستی زبدۃ العارفین شمس الملت مولانا الحاج حافظ سید نور حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ بظلِ حمایت زبدۃ العارفین شمس الملت مولانا الحاج حافظ پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی اعلیٰ پوری انجمن خدام الصوفیہ کا دینی و مذہبی شریعت و طریقت کا علمبردار صوفیائے کرام کی جان اور علمائے امت کا مرغوب قلب رسالہ

بدل اشتراک :۔ سالانہ ۵ روپے ——————— فی کاپی :۔ ۵۰ پیسے

جلد ۵۶	محرم و ذی قعدہ مطابق مئی و جون ۷۶ء	شمارہ ۸ - ۹

سرپرست حضرات سے -/۳۰ روپے ۔ معاونین کرام سے -/۲۰ روپے

نگران : منبع رشد و ہدایت مولانا الحاج علامہ پیر سید اختر حسین شاہ صاحب

مدیر معاون :۔ مولانا عبد العزیز صاحب مرتضائی ، قصوری

پرنٹر و پبلشر مولانا غلام رسول گوہر نے لاہور آرٹ پریس انار کلی لاہور سے چھپوا کر دفتر انوار الصوفیہ قصور سے شائع کیا۔

فہرست

شہادتِ عظمیٰ

مظہر الدین

پیام دیتی ہے اب بھی یہ کربلا کی زمیں
حسین رضؓ و شمر کا اندازِ فکر ایک نہیں
حسین رضؓ بے سر و ساماں، حسین رضؓ بے لشکر
یزیدیوں کی سپہ شمر کے یسار و یمیں
یہ کون ہے؟ یہ محمد صلعم کے دل کا ٹکڑا ہے
جبیں پہ نورِ نبوت، جگر میں سوزِ یقیں
راہِ خدا میں لٹانے کو لے کے آیا ہے
تمام گوہرِ تاباں تمام لعل و نگیں

مچی ہے لشکرِ شمر و یزید میں ہلچل!
کھڑا ہے دھوپ میں ابنِ علی رضؓ بصد تمکیں
جلالِ مرتضوی رضؓ کی نمود آنکھوں میں:
جمالِ یار کا آئینہ، تابناک جبیں
شہادتِ علی اصغر رضؓ سے بھی نہیں مغموم
شہادتِ علی اکبر رضؓ سے بھی نہیں غمگیں:
جس اِک شہادتِ عظمیٰ ہے منتہائے نظر
زہے کمالِ جگر گوشۂ رسول امیں!

کربلائے معلٰی اور مشہد حسینؑ

شہر اور مشہد مبارک کی تاریخ

حبیب اشعر دہلوی

مسلمانوں نے اپنے اسلاف کے مقابر و مزارات سے ہمیشہ غیر معمولی شغف کا اظہار کیا ہے۔ اور ان پر نہایت حسین وجمیل اور عظیم وجلیل عمارتیں تعمیر کی ہیں لوگ اطراف واکناف سے جوق در جوق آتے ہیں۔ اور ان مقابر ومزارات کی زیارت سے شرف اندوز ہوتے اور ان میں ابدی استراحت فرماتے والی ہستیوں کی بزرگی سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ ایسی مقدس زیارت گاہوں میں ایک نہایت قابل احترام مزار کربلائے معلی میں۔ سیدالشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ جہاں وہ یزید بن معاویہؓ اموی کی انسانیت سے عاری فوجوں کے ہاتھوں شہید ہوئے حضرات شیعہ اور دوسرے محبان اہل بیت ہر سال محرم کے مہینے میں کربلا جاتے ہیں۔ اور اس شہید اعظم کے حضور سسکیوں اور ہچکیوں، آہوں اور آنسوؤں کا خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اپنے ذہنوں میں اس دل گداز محرومی اور اس بلاخیز مایوسی کے نقوش ابھارتے ہیں۔ جو عقیدہ و وطن کے اختلاف کے باوجود تمام مسلمانوں کے دل میں نسلاً بعد نسل "تازہ ہوتی رہتی ہے۔ نبی عربی علیہ التحیۃ والتسلیم کے پیارے نواسے کے اس مقدس خون کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔ جو ظلم وسرکشی کے ہاتھوں اور سنگ دلی وسفاکی کی تلواروں نے اس مبارک سرزمین میں بہایا۔

کربلائے معلّٰی کا حسین وجمیل علاقہ، صحرائی حدود پر بغداد سے تقریباً ساٹھ میل دور قدیم کوفے کے کھنڈروں کے پہلو میں واقع ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ "کربلا" کا نام "کرب" اور "بلا" سے مشتق ہے۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ آرامی یا آشوری زبان سے آیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کربلا مملکت نینوی کا ایک حصہ ہے۔ جس پر زمانے نے نسیان وفراموشی کے پردے ڈال دیئے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے میسرہ فتح کرنے کے بعد اس مقام پر فوجیں جمع کی تھیں اور ۶۱ھ ۶۸۰ء میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دعویٰ خلافت کرنے کے بعد اسی کی طرف رُخ فرمایا تھا۔

بیعت کا مطالبہ

رجب ۶۰ ہجری میں امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ

کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا تھا۔ چنانچہ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی یزید نے سب سے پہلا کام کیا۔ کہ مدینہ کے گورنر، ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو ایک خط بھیجا، اور اس میں لکھا۔ اما بعد، حسینؓ عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ بن عمر کو سختی سے بیعت پر مجبور کر د۔ اور جب تک وہ بیعت نہ کریں ان کے ساتھ ذرہ برابر رعایت روا نہ رکھو۔ اس وقت تک امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر مدینہ نہیں پہنچی تھی۔) ولید نے اپنے ایک غلام کو بھیجا کہ وہ ان تینوں حضرات کو بلا لائے۔ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ تو اسے مسجد میں مل گئے۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ان دنوں مدینہ سے کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ علامہ طبری کہتے ہیں کہ جیسے ہی حضرت حسینؓ کو یہ بلاوا پہنچا وہ سمجھ گئے۔ کہ حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور بلاوے کا مقصد یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی موت کی خبر عام ہونے سے پہلے پہلے ان سے (حضرت حسینؓ سے) یزید کے لیے جبراً بیعت لے لی جائے۔

حضرت حسین نے اپنے اہل خاندان اعوان و انصار اور خدام و موالی کو جمع کر کے فرمایا: "جب میں تمہیں بلاؤں۔ یا جیسے ہی تم ولید کو اونچی آواز میں بولتے سنو۔ فوراً اس کے گھر میں گھس آنا" ولید نے امام حسینؓ کو یزید کا خط پڑھ کر سنایا، اور بیعت کی دعوت دی۔ حضرت حسینؓ نے جواب میں فرمایا "مجھ سا شخص چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور میرا خیال ہے تم سب

یہ کافی نہ سمجھو گے کہ میں چھپکے سے بیعت کر لوں۔ اور لوگوں میں اس کا اعلان نہ ہو" ولید امن و سلامتی کا خواہش مند تھا۔ اس لیے اس نے حضرت حسینؓ کی رائے مان لی لیکن حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ تہدید و تخویف کے باوجود والی مدینہ سے ملنے نہ گئے اور ایک رات چپکے سے مکہ چلے گئے۔ دوسری رات حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی مکہ روانہ ہو گئے اور عام راستے سے ہٹ کر سفر کیا۔ مکہ میں ان کی ملاقات حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ہوئی اور حضرت حسینؓ نے وہ سب ماجرا کہہ سنایا جو ان کے عامل مدینہ کے درمیان گزرا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے انہیں، نصیحت کی کہ جب تک مسلمان کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں۔ وہ مکہ میں ہی ٹھہریں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین کے بھائی محمد بن حنیفہؓ نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ مکہ چھوڑ کر خود کہیں نہ جائیں۔ جہاں بھیجنے ہوں اپنے داعی بھیج دیں۔

انہوں نے کہا۔ اگر وہ تمہاری بیعت کر لیں۔ تو الحمد للہ اور اگر تمہیں چھوڑ کر کسی اور کے گرد جمع ہو جائیں تو اللہ تمہارے دین و اخلاق میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ مجھے سب سے اندیشہ یہ ہے کہ مبادا تم کسی شہر میں جاؤ اور وہاں کے لوگوں میں باہم اختلاف ہو جائے کچھ لوگ تمہارا ساتھ دیں اور کچھ تم سے دشمنی اختیار کریں اس کا نتیجہ بس ایک ہی ہو گا۔ اور وہ یہ کہ ان میں آپس میں تلوار چلے گی اور پہلے وار کا نشانہ تم بنو گے۔

اہل کوفہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں وفد بھیجے اور درخواست کی کہ تشریف لایئے

ہم آپ کی بیعت کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اپنے بھائی حضرت امام حسنؓ کی وفات کے بعد جو ۴۹ ھ میں ہوئی تھی مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت حسینؓ ہی کو حقیقی امام سمجھتا تھا۔ چنانچہ سید الشہداء نے اپنے عم زاد مسلم بن عقیل کے کوفہ پہنچتے ہی کئی ہزار کوفیوں نے حضرت حسین کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کی اطلاع مسلم نے حضرت حسینؓ کو دی اور حضرت حسین ان کا خط ملتے ہی کوفہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ محمد بن حنیفہؓ اور دوسرے قریبی رشتے داروں نے انہیں اس ارادے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن مشیت الہیٰ کو کون بدل سکتا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے چند قریبی رشتہ داروں اور حلقہ بگوشوں کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہزاروں دل ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اور ہزاروں دل ان کے شوق دیدار میں تڑپ رہے تھے۔ یہ مقدس قافلہ بڑے اطمینان سے سفر کر رہا تھا۔ اور اسے کسی خطرے کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیکن اموی حکومت شروع ہی سے کھٹکی ہوئی تھی اس لیئے کہ امام حسین علیہ السلام نے مکہ اور مدینہ دونوں میں یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ حضرت حسینؓ شیعان علیؓ سے جا ملنے کے لیے عراق کا رخ فرمائیں گے۔ چنانچہ یزید بن معاویہؓ نے عراق کے گورنر عبداللہ بن زیاد کو فوراً حکم بھیجا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو حدود عراق میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ زیاد نے یہ حکم پہنچتے ہی مسلم بن عقیل کی تلاش میں آدمی چھوڑ دیئے۔ جو اہل بیعت کے ایک شیدائی کے گھر میں بیٹھے حضرت حسینؓ کے لیے بیعت لے رہے تھے۔ زیاد کے آدمیوں نے مسلم بن عقیل کو ڈھونڈ نکالا اور زیاد نے انہیں شہید کرا دیا۔

حضرت حسینؓ کو مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر دیر سے ملی۔ عبیداللہ ابن زیاد نے عراق اور حجاز کے درمیان تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیئے تھے اور ان راستوں کی نگرانی کے لیے گھڑ سوار دستے متعین کر دیئے تھے۔ ان دستوں میں سے ایک دستہ حضرت امام حسینؓ کے دستے کو ملا اور اس کے سردار نے واپس ہو جانے کو کہا۔ لیکن حضرت حسینؓ نے انکار فرما دیا۔ اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ وہ دستہ بھی تھوڑے سے فصل کے ساتھ حضرت حسینؓ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ سب کے سب میدان کربلا میں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت حسینؓ نے دیکھا کہ وہ چاروں طرف سے عبیداللہ ابن زیاد کی فوجوں میں گھرے ہوئے ہیں اور ان لوگوں نے اس خیال سے دریا پر قبضہ کر لیا ہے کہ پیاس کی شدت حضرت حسینؓ کو ان کے سامنے سپر ڈال دینے یا کم از کم واپس ہو جانے پر مجبور کر دے گی۔ لیکن حضرت حسینؓ نے سپر ڈالی نہ واپس ہوئے بلکہ دس دن تک نہایت صبر و استقلال کے ساتھ تمام مصائب برداشت فرماتے رہے۔ اس دوران میں یزیدی افواج برابر اپنا حلقہ تنگ کرتی چلی جا رہی تھیں یہاں تک کہ انہوں نے حسینی خیمہ گاہ کو اس طرح گھیر لیا جیسے کنگن کلائی کو گھیر لیتا ہے اور یزیدی لشکر کی کمان

عمر بن سعد بن ابی وقاص نے سنبھالا۔ قریب تھا کہ عمر بن سعد، حضرت حسینؓ کو یزید سے ملاقات پر آمادہ کر لیتا لیکن عبید اللہ بن زیاد اڑ گیا کہ حضرت حسینؓ پہلے اس سے ملیں۔ اس کی ضد نے فریقین میں جنگ ناگزیر کر دی حضرت حسینؓ کی فوج میں باسٹھ سے تہتر تک جان باز تھے۔ لیکن مقدمہ طبری کا بیان ہے کہ حسینی فوج میں پینتالیس گھوڑسوار تھے اور سو پیادے تھے۔ امام زین العابدین کے علاوہ جو بیمار ہونے کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ فرما سکے تھے حسینی قافلے کا ایک ایک مرد شہادت سے سرفراز ہوا۔ حضرت حسینؓ کی گود میں ان کا شیر خوار بچہ تھا۔ ایک تیر اس کے حلقوم میں آ کر لگا۔ اور معصوم نے وہیں ایک جھٹکا کھا کر جان دے دی۔ حضرت امام حسین نے میان سے تلوار نکالی اور خیمے سے نکل گئے۔ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن کی صف پر حملہ آور ہوتے اور اس وقت تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ جب تک چہرہ شجاعت غازۂ شہادت سے لالہ گوں نہ ہو گیا۔ سبط نبیؐ کو قتل کرنے کی بدبختی بنو مذحج کے ایک شقی کے نامہ اعمال میں لکھی گئی۔ اس نے حضرت امام حسینؓ کا سر تن سے جدا کیا اور اسے لے کر یہ رجز پڑھتا ہوا عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا۔"

میرے مرکب کو سونے چاندی سے لاد دو،
کہ میں نے شاہ عالی مقام کو قتل کیا ہے۔

میں نے اس شخص کو قتل کیا ہے۔ جس کی ننھیال اور ددھیال دونوں محترم ہیں۔ اور جو نسب میں سب سے افضل و برتر ہے۔" حضرت حسینؓ کی شہادت، اموی حکومت کے خاتمے کا نقطۂ آغاز بن گئی۔ یہ شہدائے کربلا کا خون ہی تھا جس نے دعوت اہل بیت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور اس دعوت کو عالم اسلام کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ اموی حکومت کے دن پورے ہو گئے اور اس کی جگہ عباسی حکومت نے سنبھال لی۔ نہ صرف عرب بلکہ تمام مسلمان کربلا کے حادثہ فاجعہ کو معصومان نبوت پر دردناک ظلم سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ کربلا کا میدان ایک ایسا مقدس مقام بن گیا جس کے گرد تفصیلات و تالیفات اشعار اور داستانوں کا ایک انبار جمع ہو گیا اور سچ بھی یہ ہے کہ جس جگہ سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا جسد محترم دفن ہو وہ جگہ فدائیان اہل بیت اور حلقہ بگوشاں خانوادہ حسینی کی زیارت گاہ ہونی ہی چاہیئے۔ کربلا کے لفظ کا اطلاق دراصل ان نخلستانوں کے مشرقی حصے پر ہوتا ہے۔ جو شہر کو چاروں طرف سے محیط ہیں۔ لیکن اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ہمیں اس شہر کا نام کہیں نہیں ملتا۔ سب سے پہلے اس کا ذکر متوکل عباسی کے دور میں آتا ہے جب ۸۵۰ء میں

متوکل کے حکم سے اس شہر کو بالکل مسمار کر کے وہاں ہل چلوا دیئے گئے۔ متوکل نے زائرین کے لئے بھی نہایت شدید اور وحشیانہ سزائیں مقرر کی تھیں۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ شہر پھر آباد ہونا شروع ہو گیا

مشہور سیاح ابن حوقل جو اس واقعہ کے سو برس بعد کربلا پہنچا تھا۔ لکھتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مزار ایک نہایت وسیع و عریض ہال میں ہے، جس پر ایک نہایت عالی شان گنبد ہے، اور ہال کی چاروں دیواروں میں اندر داخل ہونے کے لیے ایک ایک دروازہ ہے۔ دو سو برس بعد (۳۶۹ھ ۔ ۹۸۰ء) عربوں کے ایک گروہ نے جو عین التمر سے آیا تھا، اس شہر پر حملہ کیا اور شہر کے ساتھ ساتھ مشہد حسینؓ کو بھی منہدم کر دیا۔ اس واقعہ نے بنو بویہ کی آتش غضب کو بھڑکا دیا اور انہوں نے حملہ آوروں کو انتہائی عبرت ناک سزائیں دیں عضد الدولہ نے فوراً شہر اور مشہد حسینؓ کی تعمیر و مرمت کرائی اور اسے اپنے سایہ حمایت میں لے لیا۔

ربیع الاول ۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) میں مشہد حسینؓ کی عمارت میں آگ لگ گئی، اور گنبد اور برآمدے نذر آتش ہو گئے۔ ۴۱۲ھ میں حسین بن الفضل نے حکم دیا کہ کربلا کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کر دی جائے اور اس وقت سے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی تاریخیں بہت بڑی حد تک ایک دوسرے کے دوش بدوش چل رہی ہیں۔ چنانچہ جن ترکوں نے عراق پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار کا پورا پورا احترام کیا۔ ملک شاہ نے ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) میں نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کی اور دونوں کے لیے الگ الگ اوقاف و اموال مقرر کیے۔ یہ دونوں مقدس مقامات مغلوں کی ترکتازی سے محفوظ رہے۔ ۱۳۰۲ء میں خان غازی کربلاء کی زیارت کو پہنچا اور نہایت بیش قیمت تحائف وہاں اپنے ساتھ لے گیا۔ ارغون نے دریائے فرات سے ایک نہر شہر میں نکالی، جس کا نام آگے چل "نہر حسینی" رکھا گیا۔ پھر جب ترکان آل عثمان کا زمانہ حکومت آیا تو انہوں نے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کے احترام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ سلیمان قانونی حضرت حسینؓ کے مزار پر حاضر ہوا اور حکم دیا کہ نہر حسینی کی تجدید و توسیع اور شہر کے چاروں طرف کی زمین میں کھیتی باڑی کی جائے۔ بغداد میں ترکی کی حکومت کے گورنروں کو برابر احکام پہنچتے رہتے تھے، کہ وہ کربلا کی عزت و تکریم ملحوظ رکھیں اور اس کی عمارتوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں۔ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں مراد رابع نے مشہد کربلا حضرت حسینؓ کی از سر نو تعمیر کرائی۔

بعد کو جب عباس کبیر نے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ ترکی مقبوضات سے نکالے، تو یہ دونوں مقامات شیعی حکومت کے دائرے میں آ گئے۔ عباس کبیر نے ان دونوں شہروں کی دوبارہ تعمیر کرائی اور یہی تعمیر آج تک قائم ہے۔ ۱۷۴۳ء میں نادر شاہ مشہد حسینؓ پر آستانہ بوس ہوا اور اس وقت زرخیز و شاداب زمینیں آئمہ اہل بیت کے نام پر وقف کر دیں۔ اس کے علاوہ ہر طرف سے شیعی امراء اور رؤسا بھی تحائف و ہدایا نذر کرتے رہے اٹھارویں صدی مسیحی کے اواخر میں ایرانی خاندان قاچار کے بانی نے گنبد اور مینار کو مطلا کرا دیا۔

سانحۂ کربلا

اپنے دامن میں یقین و ایمان کا عظیم سرمایہ رکھتا ہے

——— : کوثر نیازی : ———

محرم الحرام کے مہینے سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے اسے اتفاق کہیئے، یا تقدیر کا نوشتہ کہ اس مہینے کے ساتھ ایک ایسی یاد وابستہ ہو گئی ہے جس کی مقصدیت کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ پورے سال کے لیے ایک صاحب دل مسلمان کو آگاہ و بیدار رکھ سکتی ہے۔ اور اس سبق سے اسے غافل ہونے نہیں دے سکتی جو وہ اپنے دامن میں رکھتی ہے۔

۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو جو خونین سانحہ فرات کے کنارے دشت کربلا میں پیش آیا۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنا غمناک تھا کہ زیادہ تر اس کا یہی پہلو مسلمانوں کی نظر میں رہ گیا۔ اس حادثے کے دوسرے پہلو ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اسی حقیقت ناشناسی نے ان کے ایک گروہ کو نالہ و شیون کا خوگر بنا دیا۔ چنانچہ اس حادثے کو تیرہ سو بیس برس ہو رہے ہیں۔ ادھر محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے۔ ادھر لوگوں میں صف نوحہ و ماتم بچھ جاتی ہے۔ آنکھیں اشکباری کرتی ہیں۔ اور ہاتھ سینہ کوبی۔ زبانوں پر رلانے والے مرثیے ہوتے ہیں اور اس طرح خونیں سانحے کی یاد منائی جاتی ہے۔ جو لوگ اس اہتمام کے قائل نہیں ہیں وہ اپنے انداز میں اپنی محفلوں اور اجتماعات میں اس سانحے کا ذکر و اذکار کرتے ہیں۔ مگر جس مقصد کی خاطر سر کٹانے والے نے اپنا اپنے جگر گوشوں، عزیزوں اور دوستوں کا سر کٹایا۔ اس مقصد کو نہ پہلا گروہ کبھی کوئی اہمیت دیتا ہے نہ دوسرا گروہ۔ نالہ و شیون بپا کر کے اور محفلوں کی بساط بچھا کر سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے اس محبت کا حق ادا کر دیا۔ جو انہیں اپنے نبی کے نواسے اور ان کے اہل بیت سے ہے۔

بظاہر معاملہ صرف اتنا نظر آتا ہے۔ کہ یزید تخت نشین ہوا تو حضرت حسینؓ نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اہل کوفہ کی دعوت پر اپنے اہل بیت اور گنے چنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف چلے گئے۔ مگر اہل کوفہ نے دغا کی اور وقت کے امنذار کے دیئے گئے لالچ اور دھمکیوں میں آکر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور آپ دشت کربلا میں اپنے ساتھیوں سمیت مظلومیت کے عالم میں شہید کر دیئے گئے لیکن حقیقت میں معاملہ اس سے کہیں گہرا

فی الحقیقت یہی وہ حق تھا جسے حضرت حسینؓ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسلامی طرز انتخاب کو چھوڑ کر ایک غلط طرز انتخاب کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت کے بجائے کسریٰ کی سنت رائج کر دی گئی تھی طرز حکومت کی اس تبدیلی کو دیکھنے والی آنکھ صاف دیکھ رہی تھی۔ کہ اسلام کے قلعے میں جو شگاف کیا جا رہا ہے۔ اس کے نتائج کتنے خطرناک ہوں گے۔ اس تبدیلی کی پہلی ضرب مسلمانوں کے حق انتخاب اور اسلام کے نظام امارت پڑ رہی تھی۔ چنانچہ آج تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ ان کا یہ حق ابھی تک صحیح شکل وصورت میں انہیں واپس نہیں مل سکا۔ تیرہ سو سال سے وہ شخصی و خاندانی استبداد کے جوتے تلے کچلے جا رہے ہیں۔

دوسری ضرب جمہوریت کی اس روح پر پڑنے والی تھی۔ جو اسلام نے مسلمانوں میں پیدا کی تھی اور جس سے سرشار ایک بدوی بھی امیر المومنین کو بر سر عام ٹوک دیتا تھا۔ الغرض یہ تبدیلی امت کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ایک ایک گوشے پر اثر انداز ہونے والی تھی۔ اس لیئے کہ حکومت و اقتدار کسی معاشرے کی اجتماعی و انفرادی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی دور بین نگاہ نے اس ساری صورت حال کو بھانپ لیا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اس شگاف سے گمراہی، کج روی اور جاہلیت کا ایسا سیلاب آئے گا۔ جو پورے قلعے کو زمین بوس کر کے رکھ دے گا۔

چنانچہ وہ اٹھے۔ ہر چند آپ کے خیر خواہوں نے روکا مگر وقت خاموشی کا نہیں تھا۔ اگر خاموش بیٹھ رہتے تو قیامت تک کے لیے غلط نظیر قائم ہو جاتی۔ اور اس طرح غلط نظام حکومت پر ہمیشہ کے لیے اس دلیل کے ساتھ وجہ جواز مل جاتی کہ جب اسے قائم کیا جا رہا تھا۔ تو کسی نے بھی اس پر اعتراض اور اس کو ماننے سے انکار نہ کیا تھا۔ تو چنانچہ حضرت حسین نے اپنی اور اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کی قربانی دے کر ہمیشہ کے لیے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام میں حکومیت اور کسرائیت کے لیئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔

حضرت حسینؓ نے کربلا کے میدان میں جو قربانی دی اس کا مقصد اسی درس کو امت کے ذہن و قلب پر نقش کرنا تھا۔ بلا شبہ ان کی یہ قربانی ہماری تاریخ کا سرمایہ فخر و ناز ہے۔ یہ قربانی ملت بیضا کو ماتم و نوحہ سرائی میں دب جانے اور زندگی کے کاروبار معطل کر دینے کی دعوت نہیں دیتی۔ بلکہ سبق دیتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے نظام حیات کے اصولوں پر کس طرح ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ اور، ضرورت پڑے تو ان اصولوں کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے جگر گوشوں کو کس ذوق و شوق اور صبر و توکل کے ساتھ نچھاور کر دینا چاہیئے۔ کربلا کا سانحہ اپنے دامن میں یقین و ایمان جذبات و سوز اور امید و رضا کا عظیم سرمایہ رکھتا ہے۔ شہادت حسینؓ ایک ہی پیغام ہے۔ زندہ و جاوداں پیغام۔

ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

تھا۔ یزید کو تخت اقتدار اسلامی نظام حیات کے ایک بنیادی اصول کو ڈھا دینے کے بعد ملا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے دنیا سے رحلت فرماتے وقت اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ اگر زندگی ہی میں ہی جانشین مقرر کرنا اور وہ بھی اپنے بیٹے یا کسی رشتہ دار کو مقرر کرنا پسندیدہ اور جائز تھا۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے (جیسا کہ یزید کی ولی عہدی کو برحق ثابت کرنے کے لیے ایک دلیل دی جاتی ہے) ضروری اور ناگریز تھا۔ تو خود رسول اللہ اس کا اہتمام فرماتے یا اللہ تعالیٰ انہیں وحی کے ذریعے ایسا کرنے کی ہدایت کرتا۔ لیکن چوں کہ اسلامی نظام، سیاست کا بنیادی ڈھانچہ شورائی جمہوریت تھا۔ اس لیے نہ خود رسول اللہ نے اس کا اہتمام کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی ہدایت کی۔ آنحضور کے انتقال فرمانے کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا امیر منتخب کیا حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ امیر ہوئے۔ گو بظاہر انہیں حضرت ابوبکرؓ نے نامزد کیا تھا۔ مگر ان کی نامزدگی میں تمام مسلمانوں کے اصحاب الرائے کی رضامندی شامل تھی۔ اور یہ رضامندی کسی جبر اور دباؤ کے نتیجے میں حاصل نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ عام مسلمانوں کی رائے میں حضرت عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص منصب امارت کے لیے اہل نہ تھا۔ اگر کسی کو کوئی اعتراض تھا بھی تو صرف یہ کہ حضرت عمرؓ ذرا سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا انتخاب پہلے دو انتخابات سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر جمہوری اصول کے مطابق ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علیؓ کو بہرحال عام مسلمانوں نے چنا اور وہ از خود مسلمانوں پر مسلط نہیں ہو گئے تھے

لیکن یزید کی ولی عہدی سے اسلام کی تاریخ میں مثال قائم کی گئی۔ اس کے لیے قطعاً کوئی وجہ جواز نہیں ملتی یزید کی بیعت جس جبر اور دباؤ کے تحت عام مسلمانوں ہی سے نہیں صحابہ تک سے کروائی گئی۔"

اس کا اس روح سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جو اسلام اپنے نظام سیاست میں زندہ متحرک دیکھنا چاہتا تھا۔ حضرت معاویہ کی صحابیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ یزید کے فضائل کے بارے میں یار لوگ آج کل جن ضروریات کا حوالہ دے رہے ہیں۔ چلیئے ہم مان لیتے ہیں کہ ان کی رو سے یزید بھی برگزیدہ شخصیت کا مالک تھا۔ مگر اسلام کے نظام جمہوری کو ختم کر کے جس قیصریت اور کسرائیت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کی وجہ جو از حضرت معاویہؓ کی صحابیت اور یزید کے جنتی ہونے سے کیونکر مل سکتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اسلام کی رو سے اسے درست تسلیم کرتا ہے کہ کوئی بھی طاقت ور شخص اپنا اور اپنی اولاد یا خاندان کا جواز مسلمانوں پر مسلط کر سکتا ہے۔ اور ایسی حکومت جائز ہو گی۔ اور اس کی نوعیت مسلمانوں کی اپنی منتخب کردہ حکومت سے

مختلف نہ ہو گی۔ تو اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلعم زندگی کے دوسرے شعبوں کے لیے تو واضح ہدایات لیکر آئے تھے مگر نظام حکومت کا میدان آپ نے ہر اس شخص کے لیے چھوڑ دیا تھا، جو آگے بڑھ کر اسے اٹھاتے اور جس قسم کا منشور چاہے اس میں بھر دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

اہل بیت شروع سے اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہؓ ابن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے ہی سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور حسینؓ بن علیؓ سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا امیر المومنین حضرت علیؓ نے کوفہ کو دار الحکومت قرار دیا تھا۔ اس لیے وہاں اہل بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے حضرت حسین کو خط لکھا کہ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لیے بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔ جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابن عباس دوڑے آئے اور بہ منت کہا۔ "اے ابن عم۔ میں خاموش رہنا چاہتا تھا۔ مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ آپ کی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے دغاباز ہیں۔ ان کے قریب بھی نہ جائیے۔ یہیں قیام کیجئے۔ لیکن حضرت حسین نے جواب دیا۔

اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو لیکن اب عزم کر چکا ہوں" اس پر ابن عباس نے کہا کہ "آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اس طرح قتل کر ڈالے جائیں گے۔ جس طرح عثمان بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے کئے گئے تھے۔"

لیکن آپ اپنے ارادے پر قائم رہے اور مکہ سے عراق روانہ ہو گئے۔ صفاح نام مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے۔ فرزدق نے جواب دیا وہ ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں "زرود" کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں قتل کر دیا گیا ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے۔ مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے۔ واللہ ہم ہرگز نہیں ٹلیں گے انہوں نے کہا ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح

مرجائیں گے چنانچہ سفر برابر جاری رکھا گیا۔ آخر
آپ ایک اجاڑ سرزمین میں جا کر اتر پڑے، پوچھا
اس جگہ کا نام کیا ہے۔ معلوم ہوا "کربلا"
آپ نے فرمایا :۔
یہ کرب اور بلا ہے۔ یہ مقام پانی سے دور
تھا۔ دوسرے دن عمر بن سعد ابن ابی وقاص کوفہ
والوں کی چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ آتے ہی حضرت
حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا، اور دریافت کیا آپ
کیوں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے کہا تمہارے اس
شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے
ناپسند کرتے ہیں۔ تو میں لوٹ جانے کے لیئے تیار
ہوں۔ عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی۔ اور
امید بندی کہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبید اللہ
بن زیاد کو خط کو لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا
اب کہ ہمارے پھندے میں آ پھنسا ہے۔ چاہتا ہے
نجات پائے۔ مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا
وقت نہیں۔ حسین سے کہو پہلے تمام ساتھیوں سمیت
یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے،
ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں
تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا قطرہ بھی نہ پینے
پائیں۔ جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم
رہے تھے عمر بن سعد نے مجبوراً پانچ سو سپاہی گھاٹ
کی حفاظت کے لیئے بھیج دیئے۔ آپ اور آپ کے
ساتھیوں تک پانی بند ہو گیا۔ اس پر آپ نے اپنے
بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ تیس سوار بیس پیدل
لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے
نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا۔ لیکن بیس مشکیں پانی کی بھر
لائے۔ بعد ازاں آپ کی عمر بن سعد کے ساتھ ملاقاتیں
ہوئیں۔ آپ نے تین صورتیں پیش کیں۔

۱۔ مجھے وہیں لوٹ جانے دو، جہاں سے آیا ہوں!
۲: مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔
۳۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو،
وہاں کے لوگوں پر جو گذرتی ہے۔ وہی
مجھ پر بھی گذرے گی۔

کئی بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد
کو پھر خط لکھا "خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور
کر دی۔
اتفاق پیدا کر دیا۔ امت کا معاملہ درست
کر دیا۔ حسینؓ مجھ سے وعدہ کرتے ہیں
کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی
ایک کے لیے تیار ہیں اس میں تمہارے
لیے بھی بھلائی ہے۔"

ابن زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہو گیا۔ عمر بن سعد
کی تعریف کی اور کہا میں نے منظور کیا۔ مگر شمر بن ذی الجوشن
نے مخالفت کی اور کہا کہ حسینؓ قبضہ میں آ چکے ہیں۔
اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے ہیں۔ تو عجب نہیں
عزت و قوت حاصل کر لیں۔ اور آپ کمزور و عاجز
قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب انہیں قابو سے نہ
نکلنے دیا جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ اور عمر رات

بھر باہم سرگوشیاں کیا کرتے ہیں۔ ابن زیاد نے یہ رائے
پسند کرلی اور شمر کو خط دے کر بھیجا۔ جس میں لکھا تھا
اگر حسینؓ مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے
حوالے کر دیں۔ تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انہیں صحیح
سالم میرے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن اگر یہ بات منظور
نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہہ
دیا اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک
عمل کیا تو تم اس کی اطاعت کرنا ورنہ اسے ہٹا کر فوج
کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسینؓ کا سر کاٹ
کر میرے پاس بھیج دینا۔ شمر نے سعد کو حاکم کوفہ کا
خط پہنچا دیا۔ اور وہ طوعاً و کرہاً بخوف معزولی آمادہ
تعمیل ہو گیا۔

نماز عصر کے بعد حضرت عباسؓ عمر بن سعد کے
ساتھ نمودار ہوئے، عمر نے ان سے کہا کہ ابن زیاد کا
جواب آگیا ہے۔ اور اس کا مضمون پڑھ کر سنایا۔
حضرت عباسؓ واپس گئے کہ حضرت حسینؓ کو اس
کی اطلاع دیں۔

حضرت حسینؓ کو جب ابن زیاد کے
خط کا مضمون معلوم ہوا تو کہا کہ اگر ممکن
ہو آج انہیں ٹال دیں۔ تاکہ آج رات
کو اپنے رب کی نماز پڑھ لیں۔ اس
سے دعا کریں، مغفرت مانگیں۔ کیونکہ
وہ جانتا ہے، بس اس کی عبادت کا
دلدادہ اس کی کتاب پڑھنے والا اس
سے بہت دعا استغفار کرنے والا ہوں

چنانچہ یہی جواب دیا اور فوج واپس ہو گئی۔ جمعہ
یا ہفتہ کے دن دس محرم کو عمر بن سعد اپنی فوج لے
کر نکلا۔ حضرت حسینؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں
قائم کیں۔ ان کے ساتھ صرف بتیس سوار چالیس پیدل
کل بہتر آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر ابن القین کو مقرر کیا میسرہ
حبیب بن مظاہر کے سپرد کر دیا۔ علم اپنے بھائی عباس
بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر
اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا۔ اور آگ
جلا دی گئی۔ تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے
فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا۔
آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور چلایا" اے حسین
قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی" حضرت نے
جواب دیا" اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا
زیادہ مستحق ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا" مجھے
اجازت دیجئے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیوں کہ
بالکل زد پر ہے" آپ نے منع کیا۔" نہیں میں لڑائی
میں پہل نہیں کروں گا۔ دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے
دیکھ کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ الٰہی
ہر مصیبت میں تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں
تو ہی میرا پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں، دل
کمزور ہو گیا۔ تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے
بیوفائی کی۔ دشمن نے خوشیاں منائیں مگر میں نے صرف
تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی تو ہی
ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج
بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے۔

بعد ازاں عمر بن سعد نے کمان اٹھائی اور لشکر
حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا۔ گواہ رہو۔ پہلا تیر
میں نے چلایا ہے۔ پھر تیر بازی شروع ہو گئی اس کے
بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب
پہنچ گئے تو حضرت کے رفقا زمین پر گھٹنے ٹیک کر
کھڑے ہو گئے۔ اور نیزے سیدھے کر دیئے۔ نیزوں
کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے۔ حضرت
کی فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور نیزہ مار کر کئی
آدمی قتل اور زخمی کر ڈالے۔ اب باقاعدہ جنگ شروع
ہو گئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوانمرد نکلتے تھے
حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو
سامنے آتا، مارا جاتا۔ میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش
کی۔ شمر ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت
سخت تھا۔ مگر حسینی لشکر نے بڑی بہادری سے مقابلہ
کیا۔ اس لڑائی میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف
ٹوٹ پڑتے تھے۔ صفیں الٹ جاتی تھی۔ آخر طاقتور
دشمن نے محسوس کر لیا کہ کامیابی ناممکن ہے چنانچہ فوراً
ہی کمک طلب کی۔ بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز
مدد کو پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی لشکر کے تمام
گھوڑے بیکار ہو گئے اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔
لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ دوپہر ڈھل گئی
مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی
فوج کے تمام خیمے ایک جگہ کر دیئے تھے۔ اور دشمن ایک
ہی رخ سے حملہ کر سکتا تھا۔

عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کیلئے
آدمی بھیجے۔ حضرت حسینؓ کے صرف چار یا پانچ
آدمی یہاں مقابلہ کے لیے کافی ثابت ہوئے خیموں
کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے کے لیے نکلے
جب یہ صورت بھی ناکام رہی تو عمر بن سعد نے
خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا سپاہی آگ لے کر دوڑے
لشکر حسین یہ دیکھ کر مضطرب ہوا۔ آپ نے فرمایا
کچھ پرواہ نہیں۔ یہ ہمارے لیے زیادہ بہتر ہے
اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔ اور ہوا
بھی یہی۔ ابو ثمامہ عمر ابن عبداللہ حامدی نے اپنی
بے بسی کی حالت کو۔ محسوس کیا اور حضرت حسین
سے کہا۔ دشمن بالکل قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ
اس وقت تک قتل نہیں ہونے پائیں گے۔ جب
تک میں قتل نہ ہو جاؤں۔

لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب کی نماز
پڑھ کر ہوں جس کا وقت آگیا ہے۔ یہ سن کر حضرت
نے سر اٹھا کر فرمایا۔

دشمن سے کہو۔ ہمیں نماز کی مہلت
دیں مگر دشمن نے درخواست منظور
نہیں کی۔ اور لڑائی جاری رہی۔ یہ
وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے
پوری قوت لگا دی تھی۔ غضب
یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار
حبیب بن مظاہر بھی قتل ہو گئے
گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب
کے بعد حر بن یزید کی باری تھی

وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہوں گا جب تک قتل نہ کر لوں اور مروں گا تو اس حال میں مروں گا کہ آگے بڑھ رہا ہوں گا۔ انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا۔ چند لمحوں کی بات تھی۔ حر زخموں سے چور ہو کر گرے۔ اور جاں بحق تسلیم ہو گئے اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں سمیت صلوٰۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ غرض کہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم کے خاندان نبوی کی باری تھی۔

خاندانِ نبوی !

میدان جنگ میں !

سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر میدان جنگ میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا۔ بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرہ بن منقذ الصدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت نکلی اتنی حسین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج وہ چلا رہی تھی آہ بھائی۔ آہ بھتیجے میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ،

حضرت حسین نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمہ میں پہنچا آئے۔ پھر علی اکبر کی نعش اٹھائی اور خیمہ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ اس کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا عمر ابن سعد ازدی نے اس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا۔ ہائے چچا اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسین قاتل پر لپکے۔ فوج اسے بچانے کے لیے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے روند ڈالا۔

راوی کہتا ہے۔

جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھا کہ حضرت حسین لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرما رہے ہیں۔ ان کے لیے ہلاکت، جنہوں نے تجھے قتل کیا وہ قیامت کے دن تیرے نانا کو کیا جواب دیں گے۔۔

بخدا تیرے چچا کے لیے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے۔ اس طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور

اہل بیعت شہید ہو گئے ان کے بعد خود حضرت حسینؓ کی باری تھی۔ آپ میدان جنگ میں تنہا کھڑے تھے دشمن یلغار کر کے آتے تھے۔ مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی۔ کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے۔ لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو یہ انگیختہ کرنا شروع کیا ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیعت کے خیمہ میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرے دیکھا۔ تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمے کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ لڑکے کو ہر چند روکا گیا۔ مگر وہ زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا کر حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اس وقت بحر بن کعب نے تلوار اٹھائی اور لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی۔

"او خبیث! میرے چچا کو قتل کرے گا"

سنگدل حملہ آور نے تلوار لڑکے پر چھوڑ دی اس نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ بچہ تکلیف سے چلایا آپؓ نے اسے سینے سے چمٹا لیا۔ فرمایا اے بیٹا! صبر کر۔ اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہنچا دے گا۔ اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔

آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ لڑائی کے دوران آپ کو سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ کر ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے ہاتھ کو زخمی کر دیا پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا سر کاٹ لے۔ وہ سر کاٹنے کے لیے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نخعی نے دانت پیس کر کہا۔ خدا تیرے ہاتھ شل کر دے پھر جوش سے اترا۔ اور بے دردی سے سر تن سے جدا کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت حسینؓ کا سر کٹ گیا۔ مگر جھکا نہیں۔ اس لیے کہ وہ باطل کے سامنے جھکنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔

. . . .

اک لیلیٰ صاحبہ مالیر کوٹلہ بھارت :-

نعت شریف

جاتے ہیں طیبہ کو ہم اس شوق سے اس چاہ سے
خار پلکوں سے چنیں گے سب وہاں کی راہ سے ،

جا کے روضہ پر حبیبؐ پاک کے بادِ صبا
حال میرا عرض کر دینا رسول اللہ سے ،

ان کے آنے کا بھی یہ کتنا حسیں انداز ہے
آتے ہیں چھپ چھپ کے وہ آنکھوں میں دل کی راہ سے

اس نے جا کر رازِ دل سب اُن پہ افشا کر دیا
اک صدا ئے درد نکلی تھی جو دل کی آہ سے

خواب ہی میں دولت دیدار پاؤں بے نقاب
یہ دعائیں کر رہی ہوں رات دن اللہ سے

روضۂ رحمت نشاں پر میں بھی ہوں جاروب کش
دامن امید بھر لوں اس بڑی درگاہ سے

مجھ کو بھی دیجئے جگہ تھوڑی سی روضہ کے قریب
یوں کروں گی عرض اس سرکارِ عالی جاہ سے

خوبیٔ قسمت سے گر کر دے مقدر یاوری
روبرو باتیں کروں پھر میں رسول اللہ سے

اس خدائی نور کی تشبیہ دوں کس نور سے
میرا ہادی ارفع و اعلیٰ ہے مہر و ماہ سے

مہربانی سے جو مجھ کو پاس بلوائیں حضور
کام لوں میں رہبری کا اپنے دل کی آہ سے

اے خدا تو نے جہاں کی بہتری کے واسطے
کعبہ کی تعمیر کروائی خلیل اللہ سے

مل گئی ہے آپ کے باعث ہمیں ام الکتاب
رازِ سربستہ کھلے ہم پر کلام اللہ سے

ایک مدت سے ہیں میرے دیدہ و دل منتظر
دل میں اک دن آیئے لطف و کرم کی راہ سے

اس طرح سے عاشق جانباز ہوتے ہیں فدا
یہ سبق ہم کو ملا مولا ذبیح اللہ سے

کون ہو سکتا ہے ہمسر حبذا صد مرحبا
میرا مرشد مل کے آیا ہے رسول اللہ سے

زندگی بھر کی یہ لیلیٰ آرزو اس دل میں ہے
جا ملوں میں بھی کبھی اپنے رسول اللہ سے

شہید کربلا

حضرت مولینا مہر محمد خان صاحب
ہمدم خطیب جامع مسجد حنفیہ
منڈی چھانگا مانگا ضلع لاہور

حضرت آدم سے لے کر تمام انبیاء و اولیا و صلحاؤ اصیفا، کے جس قدر امتحانات ہوئے ہیں۔ یا اولیا و اتقیا کے جس قدر قیامت تک امتحانات ہوں گے۔ وہ امتحانات اور یہ امتحانات سب ہمارے بادشاہ کونین، شہنشاہ دارین، خاتم المرسلین رحمۃ اللعالمین احمد مجتبےٰ۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب شہادت کے اوراق ہیں۔ یا شہادت کبریٰ کے انوار برکات جس سے تمام شہدائے کرام کی شہادتیں ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ اور جگمگاتی رہیں گی۔ ہمارے آقائے محترم کے واسطے سے تمام اکابر و اصاغر کو صفات و اوصاف کمالات و کرامات عطا ہوئے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ یہ حضور کا فیض دائمی طور پر جاری رہے گا۔

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا۔

یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

شہادت کی دو صورتیں ہیں۔ شہادت سریہ۔ شہادت جہریہ خدا نے شہادت سریہ کے وصف سے حضور علیہ السلام کو نوازا۔ جب کہ خیبر میں ایک یہودیہ نے حضور علیہ السلام کو زہر آلود گوشت پیش کیا۔ حضور علیہ السلام نے ابھی ایک لقمہ ہی اس گوشت سے تناول فرمایا تھا گوشت پکار اٹھا۔ حضور مجھے تناول نہ فرمائیں مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فوراً اُسے چھوڑ دیا۔ ایک اصحابی نے اس گوشت کا ایک ہی لقمہ کھایا تھا۔ جس سے وہ صحابی اسی وقت شہادت پا گیا۔ حضور علیہ السلام نے جو ایک ہی لقمہ تناول فرمایا تھا وہ زہر حضور کے جسم اقدس میں خدا کے حکم سے اثر کر گیا۔ جو حضور کے جسم میں وصال شریف تک قائم رہا۔ اور وصال شریف اسی زہر سے ہوا۔ اور حضور علیہ السلام وصفِ شہادت سریہ سے ممتاز ہوئے۔ اگر خدا نخواستہ حضور خیبر میں اسی زہر سے شہید ہو جاتے تو واللہ یعصمک من الناس کی تکذیب لازم جو محال ہے اور دین الہیٰ کی تکمیل نہ ہوتی اور وعدہ الہیٰ۔ الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی کے خلاف ہوتا جو محال ہے۔ اس لیے اس زہر سے اس وقت تو حضور علیہ السلام کو محفوظ فرما لیا۔ تاکہ واللہ یعصمک کی تصدیق ہو جائے اور وقت وصال شریف اس زہر کو ظاہر فرما دیا تاکہ جسم پر ظاہر ہو کر شہادت سریہ کی تکمیل ہو جائے۔ دوسری شہادت جہریہ کے لیے کئی جنگوں میں بار روا رکھا۔ جبر حنین میں

پیش فرمایا اور ان معرکوں میں حضور کے دندان مبارک بھی زخمی ہوئے اور چہرہ اقدس بھی زخمی ہوا۔ اور خون مبارک بھی دندان مبارک اور چہرہ اقدس سے بہا حضور علیہ السلام بار بار شہادت عظمیٰ کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔ اگر حضور علیہ السلام کسی معرکہ میں بظاہر کسی کافر کی تلوار سے شہید ہو جاتے تو وعدہ الہٰی واللہ یعصمک من الناس کی تغلیط لازم آتی جو محال ہے۔

یاد رہے شہادت کے لیے مجاہد کا کسی معرکہ میں کسی کے ہاتھ سے مارا جانا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو بصدق دل شہادت کے لیے پیش کر دینا کافی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حکم الہٰی پا کر اپنے آپ کو قربانی کے لیے والد ماجد کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اور حضرت ابراہیم نے بھی پوری کوشش سے ذبح کرنا چاہا اور چھری چلاتے رہے۔ مگر خداوندہٗ لاشریک نے انہیں ذبح سے بچا کر دنبہ کی قربانی قبول فرمائی۔ اور حضرت اسمٰعیل کو وصف ذبح سے ممتاز فرمایا۔ اس کے بعد ان کا لقب ہی ذبیح اللہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ شہادت کے لیے شہید ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کرنا ہی شہادت ہے اس لیے جن مجاہدین نے اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش فرما دیا۔ بظاہر وہ کسی معرکہ میں شہید نہیں ہوئے۔ حضرت اسماعیل کا تو ایک بال بھی نہیں کٹا وہ ذبیح ہوئے۔ ہمارے حضور علیہا السلام نے تو کئی معرکے کفاروں سے کئے اور زخمی بھی ہوئے اور خون بھی بہا دندان مبارک بھی شکستہ ہوئے۔ معلوم ہوا کہ حضور وصف شہادت سے موصوف تھے۔ اگر آپ بظاہر کسی معرکہ میں شہید ہو جاتے تو واللہ یعصمک کی تکذیب لازم آتی اس لیے حضور کو وصف شہید سے بھی حضرت اسمٰعیل کی طرح موصوف فرما دیا۔ اور وعدہ الہٰی کی بھی تکمیل ہو گئی۔ مگر پھر بھی ان دونوں شہادتوں کے لیے خداوند وحدہٗ لاشریک نے فرزندان رسول جگر پارہائے بتول شاہانِ کونین۔ مالکان دارین سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہادت سریہ اور جہریہ کے لیے منتخب فرمایا۔ تاکہ ان دونوں سے شہادت کی بھی بظاہر تکمیل ہو جاتے اور دونوں شہزادوں کو حضور علیہ السلام کے مظاہر اتم بنا دیا جائے۔ یہ دونوں شہزادے صورت و سیرت میں حضور کے عین مشابہ تھے۔ اس لیے ان شہادتوں کے لیے انہیں منتخب کیا گیا۔ اور حضور علیہ السلام کے واسطے سے ان دونوں شہزادوں کو یہ شہادتیں عطا ہوئیں۔ اس لیے یہ دونوں شہادتیں تمام انبیاء و مرسلین کے مصائب و آلام کا مجموعہ ہیں اور تمام صحابہ کرام و اہل بیت عظام اور اولیاء کرام کے آلام کی آئینہ دار ہیں فرزندان رسول جگر پارۂ بتول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت عظمیٰ کے المناک حالات اور محشر خیز واقعات کا ظہور آپ کی ذات ستودہ صفات سے ہوا ہے۔ ؎

خشک ہے کشت زندگی ہیچ رہی ہے کائنات
خون کدہ حجاز سے پھر نہ اٹھا کوئی حسین

پہلے تو آپ کے نانا جان رحمتہ للعالمین خاتم المرسلین کو جدا کیا گیا۔ ابھی آپ خونی اشکباری فرما ہی رہے تھے کہ چھ ماہ بعد شہزادی کونین ملکہ دارین حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات حسرت آیات ہوگئی۔ ابھی نانا جان اور اماں جان کے غم فرقت میں اشکباری و گریہ زاری فرما ہی رہے تھے۔ کہ ماوائے بیکساں۔ ملجائے بے بساں۔ حاجت روا۔ مشکل کشا حضرت امیر المومنین سیدنا حضرت علی حیدر کرار کو جامع مسجد کوفہ میں عین حالت نماز میں شہید کر دیا گیا ابھی نانا جان اور اماں جان اور بابا جان کی جدائی میں بے آب ماہی کی طرح تڑپ تڑپ کر اپنی زندگی کے دن پورے فرما ہی رہے تھے کہ دشمنوں نے شاہ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سات مرتبہ زہر دیا۔ آخری زہر بہت ہی خطرناک تھا۔ جس سے تمام جگر کٹ کٹ کر بہ گیا۔ آپ سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم اور شہزادہ کونین سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کو گلے لگا کو زار و قطار روتے تھے۔ آخر چند لمحوں میں جان بحق ہو گئے۔ حضرت امام حسین کے لئے یہ حادثہ قیامت کبریٰ سے کم نہ تھا۔ آہ نانا جان کے مدینہ طیبہ میں یہ حادثہ پیش آیا جو دار الامان تھا۔ جہاں قیدیوں کو رہا کیا جاتا تھا۔ جہاں ظالموں کو معاف کیا جاتا تھا۔ مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا۔ جہاں یتیموں کو پالا جایا کرتا تھا۔ ڈاکوؤں پر رحم فرمایا جاتا تھا۔ مسکینوں کو مالا مال کیا جاتا تھا۔ جہاں پر بیواؤں کی حاجت روائی کی جاتی تھی یا یہ وقت ہے کہ مردان شیطان نے فوج بھیج دی۔ کہ

امام حسین سے کہو کہ خبردار اگر امام حسن کو جوار رسول میں دفن کیا تو ہم جنگ کریں گے اور لاش مبارک کی بے حرمتی کریں گے۔ غلاموں نے نواسۂ رسول کو دست بستہ عرض کیا۔ حضور آپ ہمیں اجازت دیں۔ ہم ابھی اس مردود کو اور اس کی فوج کو جہنم کا راستہ دکھاتے ہیں اسے شرم نہیں آتی۔ یہ نواسہ رسول کو ہمارے سامنے فوج کی دھمکی دیتا ہے۔ یہ سن کر آپ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ نہیں نہیں بھائی جان کی وصیت سے مجبور ہوں۔ خود شاہ زمن سیدنا امام حسن ہی نے دفت شہادت جنگ کرنے سے روک دیا تھا۔ آخر بھائی جان کے مقدس جسم کو لا کر اماں جان کے پہلو میں لٹا کر عرض کیا۔ اماں جان مبارک ہو۔ تیرا حسن تیری گود میں آ بیٹا ہے۔ بھائی جان آپ کو بھی مبارک ہو۔ باقی رہا تیرا حسین یہ فرما کر خون کے آنسو رونے لگے۔ حضرت امام حسین کی یہ حالت زار دیکھ کر اہل مدینہ پر ایک حشر برپا تھا۔ تمام بچے جوان بوڑھے خون کے آنسو رو رہے تھے۔ ابھی نانا جان اور اماں جان اور بابا جان اور بھائی جان کا درد و غم کم نہ ہوا تھا۔ مدینے کے در و دیوار۔ شجر و حجر سے الفراق الفراق کی صدائیں آ رہی تھیں کہ یزید پلید کا خط ملا کہ اے امام حسین تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد۔ حضرت امیر معاویہ کا وصال ہو گیا ہے اور اس کی جگہ پر میں حکمران ہو گیا ہوں۔ لہٰذا یا تو میرے ہاتھ پر بیعت فرمالیں ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا اور سر نیزے پر رکھ کر دمشق کے بازاروں میں جلوس نکالا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا۔ کہ جو بیعت یزید کا انکار کریگا۔

اس کا بھی یہی حال ہوگا - جو آج امام حسین کا ہو رہا ہے
حضور امام عرش مقام نے یزید کا حکمنامہ پڑھا، اور
ولید بن عقبہ سے فرمایا کہ آپ اسے کہدیں کہ میں
نواسۂ رسول جگر پارہ بتول ہوں - میں اس فاسق و
فاجر کی بیعت کرکے اپنے نانا جان کی لاڈلی امت کی باگ
ڈور اس ملعون کے ہاتھ میں کیسے دے دوں آپ نے
آکر تمام واقعہ اول سے آخر تک حضرت سیدہ زینب
کو سنایا وہ سن کر زار و زار رونے لگیں - اور تمام اہل
بیت اطہار میں ایک حشر برپا ہوگیا - اس وقت تک
حضرت ام سلمہ حیات تھیں انہیں جاکر عرض کیا - نانی
اماں میں آخری سلام کرنے آیا ہوں - اور آخری اجازت
لینے آیا ہوں - آپ مجھے اجازت دیں - تاکہ میں کربلا کو
جانے کی تیاری کروں یہ سن کر حضرت ام سلمہ زار و
زار رونے لگیں اور فرمانے لگیں - بیٹا حسین تم یہ
کیا کہہ رہے ہو - میری تو تمام امیدیں بیٹا تمہارے ساتھ
وابستہ ہیں - بیٹا تمہارے سوا دنیا میں میرا کون ہے -
جو میرے درد و غم میں کام آئے گا - بیٹا میں تو اسی انتظار
میں ہوں - کہ جب میرا آخری وقت ہو - تو تم مجھے کلمہ
کی تلقین فرماؤ - اور سورۂ یٰسین پڑھ کر سناؤ
مرنے کے بعد میرے غسل کا انتظام تم اپنے ہاتھوں سے
فرماؤ - اور میرے لیے دعاء مغفرت فرماؤ - بیٹا
میری قبر پر تم اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالنا - تم میری قبر
پر قرآن پڑھنا - نصیب دشمناں - بیٹا تم یہ کیا فرما
رہے ہو مجھ میں تاب جدائی نہیں ہے یہ فرما کر بے ہوش
ہو کر فرش زمین پر گر گئیں اور بے آب ماہی کی طرح
تڑپنے لگیں - یہ منظر دیکھ کر حضور امام اور تمام اہل
بیت بھی رونے لگے - جب ہوش آئی تو حضور امام نے
فرمایا - نانی اماں میں تمام امور انجام دیتا - مگر کیا کروں
مجبور ہوں - بحکم مولا از ہمہ اولیٰ نانی اماں صبر کرو اور مجھے
خوشی سے میدان کربلا کی اجازت دو سہ

وعدہ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

پھر آپ نانی اماں سے رخصت ہو کر نانا جان
کے روضۂ انور پر تشریف لائے اور نانا جان نانا جان
عرض کرکے روضے پر گر گئے اور زار و زار رونے
لگے اور لپٹ لپٹ کر اپنے تمام حالات زندگی
سنانے لگے اور اشکباری کے پھول روضۂ انور پر
چڑھانے لگے - تمام رات رو رو کر گزاری تمام رات
نانا جان کی خدمت میں درود شریف اور تلاوت قرآن
ذکر و فکر کے ہدیے پیش کرتے رہے - آخر عرض کیا
نانا جان یہ میرا آخری سلام ہے قبول ہو - میری آخری
زیارت روضۂ انور ہے - قبول ہو کیوں نانا جان
ٹھیک ہے نا - اچھا نانا جان آپ کی مرضی ہے - آپ
نہ کلام فرمائیں میں وہی حسین ہوں جب آپ سے
روٹھ جایا کرتا تھا - تو آپ اماں جان کے مکان پر
مجھے منانے آیا کرتے تھے - جب میں رویا کرتا تھا - تو آپ
اماں جان کو فرمایا کرتے تھے - اے فاطمہ حسین کو رونے
نہ دیا کرو - اس کے رونے سے میرا دل دکھتا ہے - کیا
آج آپ نانا جان اپنے حسین سے ناراض ہیں جو کلام
نہیں فرماتے نانا جان آپ ہی نے تو فرمایا تھا

کہ اے حسین تو میدان کربلا میں شہید ہوگا تو میرے
دین کا امین ہوگا۔ تو میرے دین کو اپنے خون سے زندہ
کرے گا۔ آخر روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ حضور،
تشریف لائے اپنے لاڈلے نواسہ کو آغوش رحمت
میں لے لیا۔ اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور زاروزار
رونے لگے۔ سہ

دشمن بھی تو اس طرح ستاتے نہیں بیٹا
یہ رلائیں وہ رلاتے نہیں بیٹا

پھر آپ ناناجان سے اجازت لے کر آخری
سلام اور آخری زیارت فرما کر اپنی اماں جان کے
مزار کو خوب لپٹ لپٹ کر روئے اور اپنے تمام
دردانگیز حالات محشر خیز واقعات ہجرت سنا گئے
آخری سلام عرض کرکے پھر یکے بعد دیگرے تمام مزارات
پر فاتحہ خوانی فرماتے رہے وہاں سے رخصت ہو کر
گھر تشریف لائے۔

اہل بیت کو حکم دیا۔ کہ اب جلدی تیاری
کرو۔ تمام سامان اونٹوں پر لادو اور تمام مستورات
کو اونٹوں پر سوار کردو یہ حکم سنتے ہی حضرت عباس
حضرت علی اکبر۔ حضرت قاسم۔ حضرت عبداللہ حضرت
عون و محمد نے قافلہ تیار کرکے عرض کیا حضور قافلہ
بالکل تیار کھڑا ہے۔ جب قافلہ چلنے لگا۔ حضرت سیدہ
زینب نے عرض کیا۔ بھائی جان سیدہ صغریٰ بیمار
ہے۔ اور وہ بخار میں بے ہوش ہے اس سے
بھی مل لیں۔ ورنہ وہ تو آپ کے بعد رو رو کر جان
بحق ہو جائے گی۔ یہ سن کر آپ صغریٰ کے پاس تشریف
لائے فرمایا بیٹی صغریٰ السلام علیکم یہ میرا آخری سلام
ہے۔ ہوش کرو بابا کی زیارت کرلو ورنہ۔۔۔۔۔
یہ سن کر مظلوم بیٹی نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا بالین
پر امام دوجہاں کھڑے ہیں۔ اور سلام فرما رہے ہیں
اور سفر کے لیے مسافرانہ لباس زیب تن ہے۔ اور
چلنے کی تیاری میں مصروف نظر آتے ہیں۔ یہ حالت
دیکھ کر سیدہ صغریٰ نے عرض کیا باباجان خیر تو ہے
آپ یہ کیا فرمارہے ہیں۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ
تمہاری جدائی برداشت کرسکوں۔ آپ جہاں بھی
جارہے ہیں۔ مجھے بھی ضرور ساتھ لے چلیں مجھ میں
تاب جدائی نہیں ہے۔ یہ سن کر فرمایا۔ بیٹی تم ابھی
بہت بیمار ہو۔ سفر کرنے کے قابل نہیں ہو۔ جب
تم اچھی ہو جاؤ گی میں تمہیں خود علی اکبر کو بھیج کر منگوا
لوں گا۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ ابھی یہاں ہی رہ کر علاج
کرواؤ۔ یہ سن کر سیدہ صغریٰ نے عرض کیا۔ باباجان
میں تو بخار میں بے ہوش تھی۔ حضور نے نامعلوم راتوں
رات کہاں جانے کا عزم فرمالیا ہے۔ میں اپنے بخار اور
بھوک پیاس کی کوئی شکایت نہ کروں گی۔ دوائی بھی
آپ خود رگڑ کر پی لیا کروں گی۔ آپ مجھے بے شک
اپنی شہزادیوں کے اونٹوں پر نہ بٹھانا۔ کسی کنیز کے ہمراہ
سوار فرمادینا۔ اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پیدل ہی
سفر کرتی جاؤں گی۔ بہرحال آپ مجھے ضرور ہمراہ لے
چلیں۔ آپ کی کنیز بن کر علی بھیا علی اصغر کا جھولا جھلایا
کروں گی۔ بخار خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر بخدا میں
شدت بخار کی وجہ سے آہ تک نہ کروں گی۔

سوچا نہ خفا راہ میں گر روؤں گی بابا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوؤں گی بابا

جب سیدہ صغریٰ یہ پیاری پیاری دردانگیز گفتگو کرتی ہوں گی۔ تو اس وقت امام اور پھوپھی اماں اور اماں جان اور دوسری بہنوں اور بھابیوں کے دل پر کیا صدمہ گزرتا ہوگا۔ یہ وہ داستانِ غم ہے جسے ہر اولاد والا سمجھ سکتا ہے۔ کہ اولاد سے جدا ہونا کیا کیا خون کے آنسو رلایا کرتا ہے۔ پھر یہ سفر کربلا جس کی خاک پہلے سے حضرت ام سلمہ کے گھر بوتل میں موجود تھی۔ کیا سیدہ صغریٰ نہیں جانتی تھیں۔ کہ بابا جان کربلا میں شہید ہوں گے۔ کیا سیدہ زینب کو اس کا علم نہیں تھا کہ آپ میدان کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے شہادت پائیں گے۔ کیا حضرت ام کلثوم کو اس شہادتِ کبریٰ کا علم نہیں تھا۔ کیا حضرت علی اکبر کو وہ خاک کربلا بھول گئی تھی آخر آپ اسی بے ہوشی میں حضرت صغریٰ کو چھوڑ کر فوراً قافلہ اہل بیت کو چلنے کا حکم دیتے ہیں اور مکہ معظمہ تشریف لاتے ہیں وہاں سے منزل منزل سفر فرما کر بلا تشریف لاتے ہیں۔ دسویں محرم الحرام ہے۔ جمعہ کا دن ہے جون کا مہینہ ہے دوپہر کا وقت ہے۔ سورج بہت ہی شدت سے شعلہ باری کر رہا ہے تیز تیز گرم گرم لوئیں چل رہی ہیں۔ خیموں کے چاروں طرف آگ روشن کر رکھی ہے۔ تاکہ خیموں پر کوئی دشمن آکر حملہ نہ کر سکے۔ بچوں اور عورتوں اور جوانوں کی زبانوں پر ہائے پانی ہائے پانی کے نعرے ہیں۔ سامنے پچاس ہزار کا ٹڈی دل لشکر ھل من مبارز، ھل من مبارز کے نعرے لگا رہا ہے تمام پیدل اور سوار لوہے میں غرق نظر آتے ہیں۔ ان کے لیے کھانے پانی اور دیگر تمام عیش و عشرت کے سامان ساتھ موجود ہیں حضرت امام حسین کے پاس صرف پیاسے سپاہی ہیں جو سینہ تان کر دشمن کے پچاس ہزار سپاہیوں سے لڑنے کے لیئے کھڑے ہیں۔

یہ تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔
شوقِ شہادت میں اس قدر مسرور ہیں
کہ انہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ موت
کسے کہتے ہیں۔

خنجر جب گلے پر چلتا ہے تو حیات کے تمام رشتے قطع کر ڈالتا ہے۔ تلوار جب سر پر چلتی ہے تو سر کو دو ٹکڑے کر دیا کرتی ہے۔ یہ دشمنوں کے پچاس ہزار نیزوں اور بھالوں اور خنجروں اور تلواروں اور کمانوں کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں انہیں دیکھ کر مسکراتے ہیں موت کو حیات ابدی سمجھتے ہیں ہر مجاہد سب سے پہلے معرکہ آرائی کے لیے اذن امام کا منتظر ہے اعوان جوانانِ اہل بیت سے پہلے شہید ہونے کے تمنائی ہیں۔ جوانان اہل بیت اعوان سے پہلے شہید ہونے کے شیدائی ہیں۔ حضرت امام حسین اپنی مختصر سی فوج کو دیکھ کر اظہار مسرت فرما رہے ہیں اور داد شجاعت دے رہے ہیں۔ یہ وہ منظر ہے

جیسے عرش معلی بھی دیکھ کر لرز رہا ہے ۔ یہ وہ منظر ہے ۔ جسے قدسی دیکھکر کانپ رہے ہیں ۔ وہ یہ محشر خیز منظر ہے جسے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دیکھکر آبدیدہ ہیں ۔ یہ منظر وہ ہے جسے دیکھ کر ملائکہ بھی رو رہے ہیں یہ وہ منظر ہے جسے دیکھکر حوران بہشتی آہ و بکا میں مصروف ہیں ۔ یہ وہ منظر ہے جس نے عالم جنات کو حیرت میں ڈال دیا ہے یہ وہ منظر ہے جسے حضرت ابراہیم دیکھ کر حضرت اسماعیل کی قربانی کو بھول جاتے ہیں یہ وہ منظر ہے جسے دیکھ کر حضرت ذکریا اور یحیٰی اپنی قربانیاں بھول جاتے ہیں ۔ یہ وہ منظر ہے جسے یعقوب دیکھ کر یوسف کے تمام اندوہ غم بھول جاتے ہیں ۔

اے امام حسین تیرے اس تبسم پر قربان جو تو نے میدان کربلا میں فرمایا ۔ اے امام حسین تیری تین دن کی اس بھوک اور پیاس پر قربان جو قیامت تک کے لیے مجاہدوں کو سبق دے گئی ۔ کہ اگر دین اسلام کے لیے یہ وقت آجائے ۔ تو تم اسی حالت میں ہی شہید ہو جانا ۔ مگر اپنا ہاتھ دشمن کے ہاتھوں میں نہ دینا اے امام حسین تیری اس شجاعت کے قربان جس نے حضور کی امت کی بگڑی بنادی ۔ اے امام حسین تیری اس شجاعت کے قربان جو مردہ دین اسلام کو زندہ فرما گئی ہے الغرض اس روز میدان کربلا ایک محشر خیز منظر پیش کر رہا تھا ۔

جو باغ رسول ابھی ابھی ہرا بھرا نظر آتا تھا وہ دس گھڑی میں آتشیں شعلوں سے جھلس کر رہ گیا ۔ جو چمن رسول ابھی ابھی جنت الفردوس کو شرما رہا تھا وہ دس گھنٹے کے اندر اندر ایسا اجڑا ۔ کہ اب اس میں کوئی پھول اور کلی نہیں نظر آتی تھی ۔ جو اعوان و انصار مجاہدانہ شان سے فوج حسینی میں ابھی ابھی نظر آتے تھے وہ ہزاروں کو داخل جہنم فرما کر جام شہادت پی کر ایسی شہادت کی گہری نیند سو رہے ہیں کہ کروٹ بدلنا نہیں چاہتے ہیں وہ علی اکبر اور قاسم و عبد اللہ اور عون و محمد جو صبح سے پروانہ وار شمع حسینی پر قربان ہونے کے تمنائی تھے ۔ اب وہ یکے بعد دیگرے تاج شہادت اوڑھ کر عروس شہادت سے بغلگیر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ الغرض وہ امام عرش مقام جو صبح سے ہر اک کو مرکب پر سوار فرماتے ۔ اور داد شجاعت دیتے ہیں ۔ جو شہید ہو جاتا ہے اس کی لاش کو اٹھا کر لاتے ہیں اور خیمہ اہل بیت کے سامنے لاکر لٹاتے ہیں ۔ اب تن تنہا رہ گئے ہیں ۔ نہ تو حضور کو کوئی سوار کرنے والا ہے نہ کوئی مرکب کی باگ روکنے والا ہے ۔ جو کہے کہ حضور آپ نہ جائیں میں آپ سے پہلے شہید ہوتا ہوں ۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ حضور خود اپنے مرکب پر سوار ہوتے ہیں ۔ اور پچاس ہزار یزیدیوں سے جنگ فرماتے ہیں ۔ ہزاروں کو واصل جہنم کیا تمام خون بہہ گیا ۔ تلوار کو روکا اور خون سے وضو فرمایا اور اپنا سر نیاز بارگاہ حق میں جھکا دیا ۔ ایک دشمن آیا ۔ آپ کو سجدہ ہی کی حالت میں اس نے شہید کر ڈالا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ الغرض تمام مصائب و آلام کا آپ پر

خاتمہ ہو گیا اور آپ ہی خاتم الصابرین کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسین۔ ابتدا ہے اسمٰعیل

سلام

ابن حیدر کی عظمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم شہادت پہ لاکھوں سلام

جس کا مرکب بنے آپ ختم رسل اس کی بے مثل عزت پہ لاکھوں سلام

چھوڑ کر اپنا خطبہ لیا گود میں عین نور رسالت پہ لاکھوں سلام

پشت حضرت پہ بیٹھا جو وقت نماز اُس کی شانِ محبت پہ لاکھوں سلام

ہے لعاب دہن جس کا آب حیات مظہر جان رحمت پہ لاکھوں سلام

جس کی خاکِ قدم لا دوا کی دوا اُس کی پر کیف برکت پہ لاکھوں سلام

کر کے خون سے وضو جس نے سجدہ کیا اس کی شانِ عبادت پہ لاکھوں سلام

جس نے کربل میں زندہ کیا دین کو اُس کی شانِ شجاعت پہ لاکھوں سلام

خون سے جس کے اسلام سینچا گیا اس کی بے حد عنایت پہ لاکھوں سلام

کربلا میں جو اعدا سے تنہا لڑا اس کی بے مثل جرات پہ لاکھوں سلام

سر کو نیزے پہ جس کے پھرایا گیا اس کی شان شہادت پہ لاکھوں سلام

جس نے نیزے پہ چڑھ کر کے قرآں پڑھا اس کی بے مثل قرآت پہ لاکھوں سلام

با ادب جھوم کر تم اے ہمدم پڑھو ابن حیدر کی عظمت پہ لاکھوں سلام

(از غلام رسول گوہر ایڈیٹر ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ ۔ (پ ۴) سورۃ آل عمران

آیۃ کریمہ میں حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یا ہر مخاطب کو خطاب ہو رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔

• فی سبیل اللہ جس کے معنی اللہ کی راہ کے ہیں سے مراد دین اسلام حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور محبت حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین اسلام کے ننگ و ناموس اور اس کی عزت و برتری کو قائم رکھنے یا حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی آپ کی سنت کے پرچم کو بلند کرنے یا حق تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو قربان کرتے ہیں، اگرچہ بظاہر وہ قتل ہو گئے ہیں، مر گئے ہیں ان کی جان کا رشتہ ان کے جسم سے منقطع ہو گیا ہے وہ اب تم میں نہیں ہیں عالم برزخ کو چلے گئے ہیں، اگر تم ان کو بلاؤ تو وہ جواب نہیں دیتے دنیا کے جملہ تقاضوں سے وہ فارغ ہو گئے ہیں ان کا جنازہ پڑھا گیا اور ان کو قبر میں عام مردوں کی طرح دفن کیا گیا ہے! مگر ان کو مردہ نہ کہو۔ انہوں نے شمع اسلام پر جو فداکاری کا کردار ادا کیا ہے۔ اس نے ان کو دنیا کے فانی سے گزرنے کے باوجود حیات جاوید بخش دی ہے، ان کا کارنامہ اور ان کا نام رہتی دنیا تک صفحۂ ہستی پہ آفتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔ جیسا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ نے محبوب حقیقی پر جان فدا کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ؎

بنا کردند خوش رسم بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

عاشقان پاک طینت مرتے ہیں پر نہیں مرتے ان کو پہلے قُتِلُوْا سے اور پھر احیاءٌ سے ذکر کرنا ایسے ہی ہے جیسے مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ میں، اثبات کے بعد اس کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی اے میرے پیارے رسول جب آپ نے کفار نابہنجار کی طرف مشت غبار پھینکی، آپ نے نہیں پھینکی تو سوال پیدا ہوا کہ پھر کس نے پھینکی تو اس کا جواب دیا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی، اور لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی حضور علیہ السلام سے آپ کے فعل کو منفی کر کے اپنی ذات کے ساتھ ثابت کیا۔ اسی طرح یہاں قُتِلُوْا میں بتایا گیا ہے کہ دستور کے مطابق

میدان جنگ میں مارے تو گئے ہیں اس کا انکار نہیں
مگر اس جہت سے کہ ان کی اس فداکاری نے ان کو رب
کی حیات کے ساتھ قائم کر دیا ہے وہ زندہ ہیں
بظاہر مارے گئے ہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات کے
بغیر حیٌ لایموت کوئی نہیں اور یہ باطن زندہ ہیں
اور ان کی زندگی تمہارے نزدیک نہیں ہے کہ تم
اس کا شعور کرو ان کی زندگی ان کے رب کے نزدیک
ہے ان کی ظاہری موت پر ان کی باطنی زندگی غالب
آگئی ہے اور حکم غالب کا ہوتا ہے مغلوب کا نہیں
ہوتا لہذا وہ زندہ ہیں۔ زندہ کھانے پینے کا محتاج ہوتا
ہے اس لئے ان کا رب تعالیٰ کے نزدیک کھانا پینا
بھی متحقق ہے جس کی طرف یرزقون نے اشارہ کر دیا کہ
ان کو رزق دیا جاتا ہے یعنی نعمائے جنت سے متمتع
ہوتے ہیں جنت کی نہروں اور باغات میں ایک مخصوص
جسم کے ساتھ وارد ہوتے ہیں اور جہاں سے جی
چاہتا ہے کھاتے پیتے ہیں۔ اور عرش کے ظل میں سونے
کی قنادیل میں آرام کرتے ہیں شہداء کی زندگی ایک
ناقابل انکار حقیقت ہے اس کا انکار کرنا یا اس کو
مستبعد اور مستحیل جاننا ورنہ کفر و ضلالت میں اوندھے
منہ گرنا ہے۔ جب قرآن پاک جو اللہ کا آخری پیغام ہے
کہہ رہا ہے۔ کہ وہ زندہ ہیں تو دم کس مسلمان کو مجال
ہے کہ کہے وہ زندہ نہیں ہیں: جہاد میں دین کی خاطر
جو معرکہ کارزار میں لڑتے لڑتے قتل ہو جاتے ہیں
ان کو شہید کہتے ہیں: شہداء کے مراتب صدیقین
کے مراتب کے بعد اور اولیاء کے مراتب سے اول
ہیں: ان کو شہدا کہنے کی یہ وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام
پر جان کو فدا کر کے اس کی صداقت کی شہادت دی
ہے یا اس لئے کہ ان کی روح قبض ہونے کے وقت
ملائکہ رحمت نے حاضر ہو کر ان کو جنت کی بشارت
دی:۔ دنیائے فانی سے انتقال کے بعد ان کا حکم عام
مردوں سے جدا ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ جن کپڑوں
میں مارے گئے ہیں انہیں کپڑوں میں ان کو غسل دیئے
بغیر دفن کیا جائے میت کے لئے غسل فرض ہوتا ہے
بغیر غسل کے وہ ناپاک ہوتی ہے۔ مگر شہید کے لئے غسل
سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ پاک ہے یہ کتنا
بڑا فرق ہے مفسرین رحمہم اللہ علیہم نے شہداء کی حیات
میں اس طرح گفتگو کی ہے کہ ان کی حیات سے یا
تو یہ مراد ہے کہ وہ آخرت میں زندہ ہوں گے لیکن
اس قول کو درست نہیں مانا گیا اس لئے کہ بل احیاءٌ
سے ایسی زندگی کا اثبات ہو رہا ہے جو ان میں فی الحال
موجود ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس آن میں وہ قتل
ہوتے ہیں فوراً اسی آن میں ان کے قتل ہونے کے بعد
ان میں حیات نمودار ہو جاتی ہے اب یہ بات کہ یہ
حیات روحانی ہے یا روح اور جسم دونوں کے لئے
ہے اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے کہا ہے فقط
روحانی ہے اور بعض نے کہا روح اور جسم دونوں کے
لئے ہے جنہوں نے روح کے لئے حیات کو ثابت
کیا ہے ان کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ
حدیث ہے ارواح الشهداء فی حواصل طیر خضر
شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہیں۔ وہ کتنے

ہیں کہ حضور نبی اکرم علیہ السلام نے اپنے قول میں خصوصیت کے ساتھ روح کا ذکر کیا ہے۔ جسم کا نہیں کیا لہذا ثابت ہوا کہ شہیدوں کی روحیں زندہ ہیں جسم زندہ نہیں بعض مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شہدا کی روحیں ہر رات عرش کے نیچے رکوع و سجود کرتی ہیں اور قیامت تک کرتی رہیں گی اور بعض حضرات نے شہیدوں کے لئے جسمانی حیات ثابت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جسمانی حیات پر آیت کا سیاق عند ربہم یرزقون دلالت کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ کھاتے ہیں وہ پیتے ہیں اور نعمار سے متمتع ہوتے ہیں اور یہ جسمانی حیات کا خاصہ ہے مجرد روح کھانے پینے کی محتاج نہیں ہے۔ اور ان کی جسمانی حیات کی یہ بھی دلیل ہے کہ ان کا جسم ان کی قبروں میں خراب نہیں ہوتا بلکہ جس حال میں قبر میں رکھا جاتا ہے۔ قیامت تک اسی حال میں باقی رہتا ہے اگر ان کا جسم زندہ نہ ہو تو اس کو عام مردوں کے جسم کی طرح خراب ہو جاتا ہے جب وہ خراب نہیں ہوتے تو ثابت ہوا کہ وہ زندہ ہیں۔ کتب سیر میں مرقوم ہے کہ جب امیر معاویہ نے اس راستے سے نہر جاری کرنے کا ارادہ کیا جس میں شہدا کی قبریں تھیں تو انہوں نے اعلان کیا کہ شہدا کے وارث ان کی نعشوں کو یہاں سے نکال لیں اور کسی اور جگہ دفن کریں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم شہدا کو ان کی قبور سے باہر نکال رہے تھے تو ان کے بدن گیلے تھے۔ یعنی زندوں کی طرح نرم تھے اور زندگی کی حالت پر تھے۔ جس طرح کہ زندہ انسان سو رہا ہوتا ہے ان کی قبروں کو کھودتے ہوئے کدال سے ان شہیدوں میں سے ایک آدمی کی انگلی کٹ گئی اور اس سے خون جاری ہو گیا اس واقعہ سے جو ایک تاریخی مستند واقعہ ہے شہیدوں کی جسمانی حیات میں کوئی خفا اور الجھن باقی نہیں رہ جاتی۔ احمد بن محمد صاوی جلالین کے حاشیہ صفحہ ۱۷۱ میں لکھتے ہیں شہدا کی یہ حیات دنیا کی حیات کی مانند نہیں بلکہ وہ اس سے اعلیٰ اور بہت عمدہ ہے اس لئے کہ شہدا جنت میں جہاں سے ان کا جی چاہتا ہے کھاتے ہیں۔ مقربین بارگاہ الٰہی کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے سب سے پہلا گروہ جو تقرب الٰہی میں اصل اور اساس کا حکم رکھتا ہے انبیا کا گروہ ہے اس کے بعد صدیقین کا اس کے بعد شہدا کا اس کے بعد صالحین کا۔ ذیل میں ہم ان چار گروہوں کی حقیقت اور اصلیت کو بیان کرتے ہیں

صدیقین:۔ جمع صدیق کی ہے جو صدق بمعنے سچائی سے مشتق ہے۔ صدیق کے معنی بہت سچا جو زندگی کے کسی موڑ میں بھی اگرچہ وہ کتنا خطرناک کیوں نہ ہو صدق کو ہاتھ سے نہ دے اس کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ دار ہو اور اس کا باطن اس کے ظاہر کے لئے اس طرح ہو جس طرح پھول کے لئے بو یا الفاظ کے لئے معانی ہوتے ہوتے ہیں اس کی گفتار اور کردار میں صداقت کا نور جھلملاتا ہو اور جو کوئی اس کو دیکھے اس کو یوں معلوم ہو کہ میں صدق کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ رہا ہوں۔

کہ تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اتباع کی ان کی زندگی میں بھی اور ان کی زندگی کے بعد بھی یہاں تک کہ وفات پاکر دار آخرت میں ان کے پاس چلے گئے۔ وہ صدیق ہیں یا صدیق وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کی ایک ایک بات کی تصدیق کی اور کبھی بھولے سے بھی دین کی کسی بات میں ان کو شک نہیں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب صدیق ہیں مگر ان سب سے بڑے صدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی ذات ستودہ صفات کی شان خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ جب سے اللہ تعالےٰ نے سورج کو دنیا میں طلوع کرنے کا منصب عطا کیا ہے، تب سے انبیاء کے بعد اس نے ابوبکر سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

الشہداء: شہداء شہید کی جمع ہے جس کے معنی گواہ یا حاضر کے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے حصول کے لئے نہ صرف اپنا مال قربان کیا بلکہ اپنی جان کو بھی قربان کر دیا! دین کی خاطر جان کا قربان کر دینا ان حضرات کے لئے ایک بڑا دلچسپ اور مسرت افزا کھیل ہوتا ہے۔ شمع حق کے پروانوں کے لئے محبوب کے وصال کی خاطر اپنی جان پر کھیلنا کوئی بھی مشکل نہیں ہوتا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

الصالحین: - نیکوکار لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں اور اپنی اس مصروفیت میں وہ ایک گونہ لذت محسوس کرتے ہیں۔ احکام شرع کی پابندی ان کی طبیعت ہو جاتی ہے جس طرح کسی عام انسان کے لئے مقتضائے طبع بشری سے الگ ہونا نہایت دشوار ہوتا ہے اسی طرح صالحین کے لئے مقتضائے شرع محمدی سے ایک لمحہ کے لئے بھی الگ ہونا بہت دشوار ہوتا ہے اعمال صالح ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے سیئات و ذنوب سے ان کو نفرت ہوتی ہے۔

اور جو ان تینوں گروہوں سے اوپر کا گروہ ہے وہ نبیوں کا گروہ ہے ان کے اور رب کے مابین کوئی بھی واسطہ نہیں ہوتا ہے ان کے سامنے فرشتے آتے ہیں اور ان سے ہم کلام ہوتے ہیں جبرئیل علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ اللہ کی وحی اور پیغام لے کر ان پر نازل ہوتا ہے وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں وہ نفس اور نفسانیت سے پاک ہوتے ہیں ان کا کوئی کام بھی اپنے نفس کی خاطر نہیں ہوتا وہ جو کرتے ہیں رب تعالیٰ کے لئے اور اس کے حکم سے کرتے ہیں صدیقین اور شہداء اور صالحین کے تمام مراتب ان کی اتباع سے وابستہ ہیں ان سے الگ ہو کر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب و محبوبیت کا کوئی معمولی اور ادنیٰ سا مقام بھی نہیں پا سکتا۔

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

شاہ انصار الٰہ آبادی

حسینؑ اسم گرامی ہے، زہد طاعت کا
حسینؑ اسم گرامی ہے، عزم و ہمت کا

حسینؑ اسم گرامی ہے، حسنِ فطرت کا
حسینؑ اسم گرامی ہے، فضل و رحمت کا

حسینؑ جانِ دو عالم کی جان ہیں واللہ
حسینؑ شاہدِ معنیٰ کی آن ہیں واللہ

حسینؑ شانِ حقیقت نشان ہیں واللہ
حسینؑ عشق کی گویا زبان ہیں واللہ

حسینؑ منزلِ مقصود کی نشانی ہیں
حسینؑ پیکرِ اسلام کی جوانی ہیں

حسینؑ سجدۂ معبود کی گرانی ہیں
حسینؑ چشمۂ توحید کی روانی ہیں

حسینؑ دعوئ صدیق کی صداقت ہیں
حسینؑ عظمتِ فاروق کی عدالت ہیں

حسینؑ طاعتِ عثمان کی حمیت ہیں
حسینؑ خالقِ کونین کی ودیعت ہیں

حسینؑ مجلسِ آداب و زہد کی تفسیر
حسینؑ حسن کی تنویر عشق کی تقدیر

حسینؑ مسئلہ زیست کی حسیں تقریر
حسینؑ، روحِ عمل جانِ عزم کی تحریر

انہیں کو کہتے ہیں دنیا میں خلد کا سردار
انہیں کے خون سے روشن ہوئے چراغ بہار

یہی ہیں فکرِ مشیت کا آخری شہکار
یہی ہیں گلشنِ انسانیت کے ذمہ دار

غم و الم ہیں مسرت انہیں کے صدقے ہیں
مہیب دشت ہے جنت انہیں کے صدقے ہیں

مجاز بھی ہے حقیقت انہیں کے صدقے ہیں
عمل ہے روح لطافت انہیں کے صدقے ہیں

یہی ہیں قلبِ رسالت پناہ کی حرکت
یہی ہیں شاہِ ولایت کی مستقل صورت

انہیں کے قلب دھڑکنے کی ایک کیفیت
شعور عشق و محبت ہیں مظہرِ قدرت

حسینؑ مضطر ہیں گلزار رنگ و بو کے لئے
حسینؑ ناز ہیں تکمیل جستجو کے لئے

عزیز جان تصدق کی آبرو کے لئے
جگر کا خون کیا اور فقط وضو کے لئے

حسینؑ واقعی سر دفتر عبادت ہیں

درسِ صبر

(از ابو طیب محمد عبد العزیز عاجز کوٹ فتح)

واقعاتِ کربلا بیتے آج صدیاں گزر گئیں مگر محرم کی دسویں تاریخ کو اس کی یاد سال بہ سال تازہ ہوتی رہتی ہے۔ اپنے اپنے مسلک پر ہر کلمہ گو انسان اس روح فرسا واقعہ کا اعادہ کرتا ہے "فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" خدائے قدوس حکیم ہے اور حکیم کا ہر فعل حکمت سے پُر ہے قرآن مجید میں یہ راز افشا کیا گیا ہے اور اس قسم کے واقعات کو بار بار دہرانے پر جو نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے وہ صبر و سکون ہے اور صبر و سکون دینِ حقہ اسلام کا حقیقی جزو ہے۔ لہذا اس کا بیان ہم مختلف عنوانات سے کرتے ہیں تاکہ ہر پہلو سے یہ اصل مقصد واضح ہو جائے۔

پے بہ پے غم کا خدائی مقصد "اطمینان"

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (پ ۴)

(ترجمہ آیت) اے مومنو! تم کو اللہ پے بہ پے غم اس لئے دیتا ہے تاکہ تم مافات اور ما اصاب پر غم نہ کھایا کرو اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

درس:۔ اس آیت متبرکہ میں پے بہ پے غم کی پیکش کی [illegible] اطمینان اور سکون کا درس دیا گیا ہے مشہور مثل ہے "ہر کمالے را زوالے" اسی راز کا افشا ہے۔ اسلام نے یہ سبق دیا ہے کہ دنیا سے دن اور اس کے باشی ایک دن تمہاری نظروں سے اوجھل ہو کے رہیں گے۔ اور یہ پردہ برزخ کے نام سے مشہور ہے آخر جزع فزع سے انحراف اور سکون کا حل اس معنی میں ہے کہ دنیا کی چیزیں اور انسان صرف نظروں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں مگر ان کو فنا کا حل نہیں (آیات قرآنیہ)

(۱) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ (الخ)

اور (۲) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ

شہداء کی حقیقی زندگی اور باقی باللہ ہونے کی عقیدۃً وحوالۃً تعلیم دے رہی ہیں جن سے جزع فزع اور واویلہ پر بے معنی ثابت ہوتا ہے۔ لہذا ان آیات پر ایمان لاتے ہی فوراً سکون اور اطمینان حاصل ہو گا جو قدرت کا مقصد ہے۔ اسی مضمون کو ایک اور انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

قدرت کو اعتدال پسند ہے۔

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ

ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (پ ۱۲)

(ترجمہ آیت) جب ہم انسان کو رحمت چکھاتے ہیں پھر وہ اس سے چھین لیتے ہیں۔ تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم اس کو تکلیف کے بعد راحت عطا کرتے ہیں تو کہتا پھرتا ہے کہ مجھ سے تکالیف جاتی رہی ہیں اور بہت خوش ہو کر فخر کرتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو صابر اور نیک کام کرتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے

درس:- اس آیت نے مومن کی حالت کو افراط اور تفریط کے مابین اور اعتدال پر ثابت رہنے کا سبق دیا ہے کیونکہ غم کی افراط "یفضی الی الکفر" کی مصداق ہے۔ یعنی انسان کو افراط غم اسلامی راہ راست سے ہٹا کر کفر کی جانب لے جاتی ہے اور افراط مسرت بھی دل کو غافل کر دیتی ہے۔ اور انسان شرع کے راستہ کو چھوڑ دیتا ہے اسلام نے وہ طریقہ بتایا ہے جس سے استقامت حاصل ہو اور نجات اور جنت کی وراثت مل سکے۔

مومنوں کے امتحانات

ایمان داروں کے ایمان کو ثابت رکھنے کے لئے ان کا ہر مرحلے پر امتحان لیا جاتا ہے تاکہ مومن کی پختگی ظاہر ہو صبر ہی اصل میں کامیابی کی راہ ہے

اب ہم وہ چند مقامات بیان کرتے ہیں جن سے مومن کو آزمایا جاتا ہے اور وہاں اس کو صبر و تحمل اور برداشت سے کام لینا لازم ہو جاتا ہے۔

بدگوئی پر صبر

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ (پ ۴)

ترجمہ آیت:- اے ایمان والو! تم ضرور بضرور اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں آزمائے جاؤ گے۔ اور ضرور بالضرور تم ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور مشرکوں سے بہت ایذا کی باتیں سنا کرو گے۔ اور اگر تم نے صبر کیا اور بچتے رہے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

درس: (غیر مناسب کی) بدگوئیوں کو برداشت کرنے کا درس ہے۔ اور بڑی ہمت کا کام ہے کیونکہ بے ہمت آدمی فوراً دست و گریبان ہو کر اپنی عظمت اور رعب کو چاک چاک کر دیتا ہے اور ذلت اور رذالت کا جامہ اوڑھ لیتا ہے یا مغلوب ہو کر اپنا دین چھوڑ دیتا ہے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے جہنم خرید لیتا ہے اس صبر کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ آدمی دین حق پر قائم رہے اور اس کے مقابل کسی ناگوار چیز کی پرواہ نہ کرے۔

لڑائی جھگڑے میں صبر

لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

ترجمہ آیت:۔ حسن سلوک اور بدسلوکی برابر نہیں ہیں جھگڑے کو ایسے طریقہ سے نمٹا جو بہت اچھا ہے۔ تو اسی وقت تیرا حریف تیرا مخلص دوست اور حامی ہو جائے گا۔ اور یہ حسن سلوک کا طریقہ صرف ان لوگوں کو سکھایا جاتا ہے جو صابر ہیں [illegible] ان کو سکھایا جاتا ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں۔

فوائد:۔ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی برا کہے تو اس کو برداشت کیا جائے اور اگر نہ ہو سکے تو اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ جو [illegible] پیغمبر کا کام دین اور دنیا کے اندر [illegible] اندمال پذیر ہوں۔ جیسے [illegible] آپ کا فرمانا درست ہے مگر [illegible] حضور علیہ السلام کا طریقہ پاک [illegible] حکم کا [illegible] عملی نمونہ تھا۔ اس کو [illegible] بیان کیا ہے۔ چنانچہ حفیظ جالندھری لکھتے ہیں

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

بزرگان دین کی ملاقات کیلئے صبر

تفاسیر میں لکھا ہے کہ جب ہمارے سرکار سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ شریف میں تشریف رکھتے تو بعض لوگ بے صبری سے آپ کو باہر بلایا کرتے یا محمد اخرج علینا۔ اے محمد ﷺ ہمارے لئے باہر نکلئے! تو اس پر آیت نازل ہوئی وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ عَلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ترجمہ اگر وہ اتنا صبر کرتے کہ آپ خود بنفس نفیس باہر تشریف لاتے۔ تو ان کے لئے اچھا ہوتا۔

فوائد:۔ اس امت میں اہل [illegible] کو ادب سکھایا گیا ہے تاکہ بزرگوں کی ملاقات کے لئے صبر کیا کریں کہ وہ [illegible] وظائف سے فارغ ہو کر خود بلائیں یا اجازت دیں یا [illegible] چیخیں نہیں اور فرمایا ہر وقت ہر ٹائم بزرگان دین سے کلام کرنا روا نہیں۔ اس طرح ان کے اوقات کا حرج ہوتا ہے اور حرج کرنا بے ادبی کے مترادف ہے اور بے ادبی سے محرومی کا خطرہ ہے

اہل ذکر کے ہمراہ رہنے کا حکم بھی صبر سے حاصل ہوتا ہے

ترجمہ:۔ اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ہمراہ ثابت رکھیے جو اللہ کی رضامندی کی خاطر صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں (یعنی نماز پنج گانہ ادا کرتے ہیں) اور آپ اپنی نگاہ کو بھی ان سے نہ ہٹائیے اور آپ اس آدمی کا کہا نہ مانئے جس کا دل یاد خدا سے غافل ہو (یعنی بے نماز کا کہا نہ مانئے) اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے۔ اور اس کا

ہم حد سے بڑھ گیا ہے

درس :۔ اس آیت میں ہم مسلمانوں کو نمازیوں اور اہل ذکر کے ہمراہ رہنے اور ان کا تصور رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ ان کی صحبت اور توجہ کی برکت سے روحانی فیض حاصل ہوتے رہیں اور متشرع مقامات شریعت میں اور سالک راہ سلوک میں منزل تک پہنچے تصور شیخ کامل اور روحانی جسمانی مجالس اسی ضمن کی ہیں آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام نے اس پر کتنا عمل کیا۔ جہاد کے محاذوں میں بھی نمازیں ادا کیں اور شہدائے اسلام نے خنجر تلے بھی نماز ترک نہ کی اور ذکر الٰہی کرتے کرتے انتقال فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، حضرت شاہ علی کی شہادت اور معرکات کربلا کی شہادتیں اسی مضمون کے عملی نمونے ہیں اور دیگر صحابہ کا جنگوں میں بھی نماز ادا کرتے رہنا اس امر کی واضح دلیل ہے۔

نزولِ مصائب میں صبر کی تعلیم

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ط وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ (پ ۲)

ترجمہ :۔ اور ہم ضرور بالضرور تمہاری آزمائش کریں گے کچھ خوف اور فاقہ سے اور مالوں جانوں اور پھلوں کا نقصان کرنے سے اور اے محمد ﷺ آپ صابروں کو خوشخبری دیجئے صابر وہ لوگ ہیں۔ جو نزول مصائب کے وقت کلمہ صبر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون کہتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے شاباشیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

درس :۔ خدا اپنے بندوں کا امتحان خوف، بھوک اور نقصان سے لیتا ہے جو صبر کریں گے وہ رحمت الٰہی اور ثواب دارین کے مستحق ہوں گے حکم ہوا۔ کہ مصیبت اور نقصان کے وقت کلمہ صبر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون پڑھے لہٰذا اگر کسی کھیتی یا باغ میں نقصان ہو یا کوئی فوت ہو جائے یا شہید ہو جائے۔ یا چوری یا ڈاکہ وغیرہ درپیش ہو یا کوئی شے گم ہو جائے یا کوئی اور مصیبت پیش آ جائے تو اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیئے بلکہ اگر چراغ بجھ جائے تو بھی یہی پڑھے اور صبر کرے صبر سے سکون حاصل ہو جائے۔ اور سکون سے استقامت شہدائے اسلام نے اور دیگر صحابہ نے اس پر عمل کیا اور جزع فزع سے پرہیز کی سینہ کوبی، نوحہ وغیرہ بے صبری کے دلائل ہیں۔

انتقام میں صبر کرنا چاہیئے

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ط ...... وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

ترجمہ :۔ برائی کا بدلہ برائی ہے برابر برابر تو جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا۔ اور بڑی ہمت کا کام ہے

درس: - اس آیت میں یہ درس دیا گیا ہے کہ مسلمان کو اگر کسی سے انتقام لینا ہی ہو تو برابر برابر لے لیکن اگر معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کو خدا کی جناب سے ثواب ملے گا - اور انتقام نہ لینا، صبر کرنا اور معاف کرنا بڑے ہمت کا کام ہے مسلمان اگر صاحب ہمت ہو - تو اس کے لئے مبارک ہے - یہ اس لئے حکم ہے کہ انتقام لینے میں فی زمانہ لوگ مساوات سے بڑھ جاتے ہیں لہذا اگر ایک دشنام کے بدلے دو دشنام دے گا۔ تو ایک دشنام تو ایک دشنام کے بدلے ہو گئی اور دوسری دشنام اس کی زیادتی اور ظلم تصور ہو گا - جس کا بدلہ اس پہلے کو دینا ہو گا۔ لہذا انتقام میں زیادتی اور ظلم کا خدشہ ہے اس ظلم سے بچنے کے لئے اور باہمی سلامتی کے لئے صبر کرنا اور بخش دینا باعث ثواب ہے جس کا عادی ہر ایک مسلمان کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے کہ بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پائے۔ قابو پانے کا مطلب یہ ہے کہ بکواس سے زبان بند رکھے اور فحش نہ بکے خاموش رہے برداشت کرے اور معاف کر دے ورنہ بصورت دیگر اچھے اچھے الفاظ استعمال کرے جس کا بیان پیشتر ہو چکا ہے

انبیائے کرام کا صبر نمونۂ عمل

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر مشہور ہے جس کا قرآن مجید میں جا بجا ذکر فرمایا جب آپ کا امتحان پورا ہوا اور آپ کامیاب ہوئے۔ تو اللہ نے آپ کو ہر شے دوہری عنایت فرمائی مال، اولاد کھیتیاں ہر شے دوگنی وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ (پ ۱۷) اس کے علاوہ فرمایا۔ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ اور اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل ہر ایک صابر تھے۔

ہماری سرکار کا صبر دیکھئے جب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ نے دل میں ارادہ کر لیا کہ جب تک میں ان کے ستر سے ایسا نہ کر دوں کبھی آرام نہ لوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (پ ۱۴)

ترجمہ: - اور اگر تم انتقام لینا چاہو۔ تو برابر برابر لو۔ اور اگر تم صبر کرو۔ تو صابروں کے لئے بہتر ہے اور آپ اپنے نفس کو صبر دیجئے اور آپ کا صبر صرف اللہ کے ساتھ ہے اور آپ ان پر غم نہ کھائیے اور آپ ان کے مکروں کی وجہ سے تنگ نہ ہونا۔ یقیناً اللہ پرہیزگاروں اور احسان کرنے والوں کے ہمراہ ہے ...... جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے انتقامی ارادہ بالکل ترک کر دیا اور فرمایا ہم کو صبر منظور ہے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا
دل دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام

کہ باید دوستان خلاف است و جنگ

میں نے سنا ہے۔ کہ راہِ خدا کے مرد دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کرتے ہیں تجھے یہ مرتبہ کب حاصل ہو سکتا ہے کہ تیرا تو اپنے دوستوں سے لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔

واقعات کربلا دیتے ہیں تعلیم صبر
ماننے والے مگر لیتے ہیں تعلیم صبر

آخری مقالہ ہم کو کن مقامات پر صبر کرنا چاہیئے

"ناظرین کرام ہم کو ہر کار ثواب پر صبر کرنا چاہیے صبر کا لغوی معنے ہے "ثابت قدمی" استقامت لہذا ہر امر شریعت پر قائم رہنے اور اس کے مقابل کسی چیز کی پرواہ نہ کرنے کا نام صبر ہے۔ اس قسم کا صبر باعث اجر ہے اور کفر و بدعت اور بغیر شرع امور پر صبر کرنا نہ چاہیئے کیونکہ ان کا نتیجہ جہنم ہے اس لیئے خدائے قدوس نے فرمایا ہے۔ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ "دکس چیز نے ان کو آگ پر صبر دیا ہے، لہذا آتش دوزخ سے بچاؤ کرنا لازم ہے۔ اور اس لیئے عذاب کے اسباب سے پرہیز ضروری ہے۔

کچھ بھی ہو جائے تو تم اسلام پر قائم رہو
رشتۂ کفر و ضلالت کو سراسر توڑ دو
صبر شبیر اور شبّر کو دیکھنے اک بار تو
اور ان کا سوگ ماتم مسلمانو چھوڑ دو
صرف رونا چاہیئے رونے کا کافی ثواب
اس طرح اپنا تعلق آلِ رضی سے تم جوڑ دو

مست
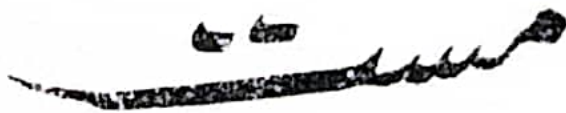
از درد کاکوروی

ہیں کلام اللہ کی مے سے احمد مختار مست
اور اسی مے سے ہے نمائی آلِ اطہار مست !
ساقی کوثر کی ہر دم ہے صلائے خاص و عام
کیوں نہ پھر جام محمد سے ہوں چار و یار مست !
صرف صدیق و عمر کب اس سے ہیں بیخود دوستو
حضرت عثمان ہیں پھر حیدر کرار مست !
ہے تصور ہر زمانہ ہی کا۔ خدا ہے سامنے
یا خدا ہے دیکھتا۔ رکھتے ہیں یوں انوار مست
صرف مرشد کے تصور سے جو کامل ہو گئے
یہ اویس قرن ہیں۔ واللہ ہے دیدار مست
حق کے مے خانے ہیں دو۔ مکہ مدینہ دوستو
جن سے بیخود ہیں مہاجر اور سب انصار مست

درد دل سے عرض کرتا ہے بفضل و لطفِ حق
جتنے ہیں اللہ والے سب ہیں بے پندار مست

عربی سال مہینے اور دن

عبد الصمد صارم ایم اے

عربی سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روز ہجرت کے حساب سے جاری کیا یہ سن قمری ہے جس میں ۳۵۴ دن آٹھ گھنٹے اور بیالیس منٹ ہوتے ہیں۔ اتنے عرصہ میں قمر بارہ برجوں کا چکر لگا لیتا ہے اس میں چھ مہینے تیس تیس دن اور چھ انتیس دن کے ہوتے ہیں اگر عربی میں پہلی تاریخ یکشنبہ، دوشنبہ یا سہ شنبہ ہو تو وہ مہینہ ۲۹ کا ہوگا۔ ورنہ تیس کا جس کا صحیح تعین رویت ہلال ہی سے ہوتا ہے پہلی تاریخ کو غرہ اور آخری [illegible] کہتے ہیں شہنشاہ اکبر کے زمانے میں حکیم فتح اللہ شیرازی نے [illegible] سن کو شمسی بنا دیا [illegible] مقرر [illegible] ہوا [illegible] کا نقدت [illegible] ۱۲۰۰ [illegible] [illegible] تھا، عربی مہینے حسب ذیل [illegible]

(۱) محرم :- یہ پہلا عربی مہینہ ہے اس مہینے کے ابتدائی دس دنوں کو عشرہ محرم .. اور اردو میں دہا بولتے ہیں چونکہ اس مہینے میں جنگ و جدل حرام تھا۔ اس لئے محرم [illegible] بابعض روایات [illegible] ثابت ہے۔ کہ اس میں اہم واقعات عالم رونما ہوئے اس لئے بھی اسے محرم کہتے ہیں۔ یعنی عزت و فضیلت والا مہینہ مثلاً

ابتدائے آفرینش، قبول توبہ آدم۔ دنیا کی پہلی بارش طوفان نوح سے نجات، فرعون کا غرق، حضرت ابراہیم پر آتش کا گلزار ہونا، حضرت یوسف کا کنوئیں سے نکالا جانا۔ حضرت یعقوب و یوسف کی ملاقات اور سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی۔ ان وجوہ کی بناء پر اگلی امتوں پر دس روزے فرض رہے ابتدائے اسلام میں بھی یہ روزے فرض تھے پھر نفل ہو گئے اور رمضان کے روزے فرض ہو گئے اس عشرہ میں امام حسین ؑ کی شہادت کے واقع ہونے سے مسلمان اسے حزن و ملال کا مہینہ سمجھنے لگے اور یہ مہینہ منحوس شمار کیا جانے لگا۔ لیکن یہ ہے غلط (المنبر)

روز شہادت تو بجا ہا شہید بود
عاشور ماست گرچہ برائے تو عید بود

گونہ استمش قیامت دنیا عجیب نیست
این رستخیز عام کہ نامش محرم است

(۲) صفر :- یہ عربی سال کا دوسرا مہینہ ہے چونکہ گذشتہ مہینے میں جدال و قتال ممنوع تھا لہٰذا اہل عرب خانہ نشین رہتے تھے اور اب وہ سامان تجارت و حرب خریدنے کے لئے گھر سے نکلتے تھے۔ لہٰذا گھر خالی

ہو جاتے تھے۔ صفر کے معنی خالی کے ہوتے ہیں۔ اس یہ نام قرار پایا۔ علاوہ ازیں سامانِ حرب کی منڈی کا نام صفریہ تھا چونکہ اس مہینے میں اہل عرب وہاں جاتے تھے لہذا صفر کہلایا۔ اس ماہ کی صفر المظفر اوّل و دوم بھی کہتے ہیں چونکہ اس ماہ میں درختوں کے پتے زرد تھے۔ اس لئے صفر کہلایا۔ صفر کے معنی زردی کے ہیں۔ قدیم عرب اسے منحوس خیال کرتے تھے۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ یہ خیال غلط ہے مگر چونکہ اس ماہ کی آخری تاریخوں سے آپ کو مرض الموت لاحق ہوا نیز اسی ماہ امام حسنؑ شہید ہوئے لہذا نورجہاں زوجہ جہانگیر نے اسے منحوس قرار دیا۔

(۳) ربیع اوّل :- یہ تیسرا عربی مہینہ ہے ربیع کے معنی ہیں قیام کا مفہوم ہے۔ چونکہ اہل عرب ان دو ماہ میں قیام کرتے تھے لہذا ربیع کہلایا اس ماہ میں رسول کریمؐ کی ولادت باسعادت ہوئی اس لئے مسلمان اسے متبرک سمجھتے ہیں۔ ؎

دیکھو کس شان سے آتا ہے ربیع الاوّل
زیب دنیا کی بڑھاتا ہے ربیع الاوّل

(۴) ربیع الثانی :- یہ چوتھا مہینہ ہے۔ ثانی دوسرے کو کہتے ہیں۔ وہ اوّل ہے یہ ثانی ہے۔

(۵) جمادی الاُولیٰ :- جب یہ نام رکھا گیا تو پانی سردی سے جم گیا تھا یہی کیفیت اس کے بعد والے مہینے میں بھی تھی لہذا اس کا یہ نام قرار پایا گیا۔ کیونکہ جمود کے معنی جمنے کے ہیں۔ اشرف بخاری کہتا ہے۔

نیمہ از جمادی الاوّل!
بود کایں نظم گشت مکمل!

(۶) جمادی الاُخریٰ :- یہ چھٹا مہینہ ہے۔

(۷) رجب :- کے معنی قربانی اور تعظیم کے ہیں اہل عرب اس مہینے میں اپنے معبودوں کی زیادہ پرستش کرتے تھے۔ اور قربانیاں چڑھاتے تھے۔ لہذا اس نام سے موسوم ہوا۔ واجد علی شاہ کہتے ہیں۔

رجب بھر رہے کانپور میں مقیم
بُرنڈن کے بنگلے میں باخوف و بیم

(۸) شعبان :- چونکہ رجب میں عبادات و قربانی سے فراغت پا کر اہل عرب تجارت و جنگ کیلئے گھروں سے جدا ہوتے تھے۔ اس لئے اس مہینے کا نام شعبان قرار پایا اس کے معنی ہیں افتراق کا مفہوم ہے۔ واجد علی شاہ اختر کہتے ہیں۔

دکھائی دیا ماہ شعبان رجب
روانہ ہوئے والنسے با صد تعب

(۹) رمضان :- اس کے معنی شدتِ پیاس کے ہیں۔ چونکہ اس مہینے میں گرمی ہوتی تھی اس لئے یہ نام پڑا۔ روزے بھی رکھتے تھے۔ حضرت داغ فرماتے ہیں۔

قرض دیدے رمضان میں مجھے ساقی اِک جام
حضرت شیخ جو کرلیں گے ضمانت میری!

(۱۰) شوال :- یہ شول سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بلند کے ہیں، جب یہ نام رکھا گیا ہے۔ اس وقت برج ہے اس لئے یہ نام تجویز ہوا شاعر کہتا ہے۔

چودھویں اس مہ شوال کی پائی ہے قرار
مژدہ ہو سب کو خوشی کی ہے خبر

(۱۱) ذی قعدہ :- قعود سے ہے جس کے معنی بیٹھنے

کے ہیں اہل عرب اس مہینے میں سفر نہ کرتے تھے۔ اس لئے یہ ذی القعدہ کہلایا۔

(۱۲) **ذوالحجہ**:۔ اس زمانے میں حج و طواف بیت اللہ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ذی الحجہ کہلایا۔ قرآن مجید میں دو مہینوں کے نام آئے ہیں۔ یعنی صفر اور رمضان۔

دن:۔ ہندی میں دنوں کے نام سبعہ سیاروں پر ہیں۔ اور دراصل دنوں کی تقسیم کا تعلق ان ہی سے ہے مگر عربی میں دنوں کی وجہ تسمیہ اور ہیں۔

سبت:۔ یعنی شنبہ:۔ سبت کے معنی منقطع ہونے کے ہیں۔ چونکہ اس دن امم سابقہ کو تمام دنیاوی امور سے انقطاع کر کے صرف عبادت کا حکم تھا اس لئے اس دن کا نام سبت ہوا۔ فارسی میں اسے شنبہ کہتے ہیں۔ اور اہل ہند سنیچر، تھاور اور ہفتہ کہتے ہیں۔

یوم الاحد:۔ یعنی پہلا دن چونکہ سبت کے بعد یہ پہلا دن ہے۔ لہٰذا اسے یوم الاحد کہتے ہیں۔ فارسی والے اسے یک شنبہ اور اہل ہند اسے اتوار کہتے ہیں۔ اس کے بعد تمام دنوں کا شمار اعداد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی پیر کے دن کو یوم الاثنین منگل کو یوم الثلاثہ بدھ کو یوم الاربعاء اور جمعرات کو یوم الخمیس کہتے ہیں۔

جمعہ:۔ چونکہ یہ دن عبادت کا ہے۔ لوگ نہا دھو کر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں لہٰذا جمعہ کہلایا۔ ایام جاہلیت میں اسے عروبہ کہتے تھے اس کے معنی چمکدار خنجر کے ہیں۔ چونکہ یہ دن ضیا بار لکھا جاتا تھا۔ اس لئے عروبہ کہلایا قرآن مجید میں دو دنوں کے نام آئے ہیں سبت اور جمعہ حضرت آدمؑ کے عہد سے یوم سبت ہی جمعہ تھا حضرت موسیٰ کے بعد جب مذہب میں اور بہت سی ترمیمیں کیں تو یوم سبت کو بھی بدل دیا اور سبت کی بجائے اتوار کو بنالیا اور اتوار یوم الاحد قرار پا گیا۔

لاکھوں سلام

حضرت مولانا علامہ دردؔ کاکوروی صاحب مدظلہ

شافعِ روزِ محشر پہ لاکھوں سلام ... ساقیِ جامِ کوثر پہ لاکھوں سلام

مومنو ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام ... فخرِ آلِ پیمبر پہ لاکھوں سلام

بحرِ حق کے شناور پہ لاکھوں سلام ... کربلا کے دلاور پہ لاکھوں سلام

بوئے آلِ اطہر پہ لاکھوں سلام ... دینِ احمدؐ کے یاور پہ لاکھوں سلام

ہم شبیہِ پیمبر پہ لاکھوں سلام ... اکبری روئے انور پہ لاکھوں سلام

ہائے بچے پہ بھی رحم آیا نہ کچھ ... آہ اس ننھے اصغر پہ لاکھوں سلام

تین دن کربلا میں جو پیاسے رہے ... اہلِ بیتِ مطہر پہ لاکھوں سلام

لختِ قلبِ علیؑ پر ہوں لاکھوں درود ... سبطِ ساقیِ کوثر پہ لاکھوں سلام

اوڑھ کر بولے حضرت یہ ہیں اہلِ بیت ... مومنو ایسی چادر پہ لاکھوں سلام

اللہ اللہ کیا صبر کیا ضبط تھا ... ان کی خواہر پہ مادر پہ لاکھوں سلام

کربلا میں تصدق جو شہ پر ہوئے ... اے خدا ان بہتر پہ لاکھوں سلام

جو گرے اشکِ ماتم میں شبیر کے ... مومنو ایسے گوہر پہ لاکھوں سلام

ہو کے مشغول نوحے میں کہتا ہے دل
دردؔ شبیر و شبر پہ لاکھوں سلام

(دردؔ کاکوروی)

حضرت مولانا حافظ غلام رسول صاحب صدر المدرسین مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف

ترے جلوے کے آگے اپنی ہستی کو فنا پایا
یہ پیغام بلا ہم نے دم قالوا بلیٰ پایا

قبل اس کے کہ شہادت کے متعلق کچھ ذکر کروں یہ عرض کر دینا لازمی سمجھتا ہوں کہ جب اس کائنات کو نقطۂ عدم سے وجود کی طرف لایا گیا تو اس کائنات، خصوصاً انسان کی تخلیق میں کوئی حکمت مضمر تھی ورنہ تخلیق عبث ہوتی۔ قانون اسلام و ضابطۂ حیات یعنی قرآن پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمت جو مضمر تھی وہ اس کائنات کے خالق کی معرفت و عبادت ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (اور میں نے جن اور انسان اس لئے بنائے کہ میری بندگی کریں) معرفت اور عبادت کی امانت انسان کو سپرد کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ انسان میں اس کی صلاحیت تھی۔

حضرت امام غزالی اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ نے اسی پر تنبیہ کی ہے۔ اور قرآن پاک نے انسان کے علاوہ دیگر کائنات کی استعداد کا اندازہ کیا کہ آیا ان میں بھی یہ امانت برداشت کرنے کی استعداد ہے یا نہیں۔ ان میں استعداد معدوم تھی اسی لئے دیگر کائنات نے انکار کر دیا اور یہی انکار کا مطلب ہے اور انسان نے اس کو قبول کر لیا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان (ترجمہ از اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھا لی۔

جب انسان نے اس امانت شاقہ کی ذمہ داری لی تو چاہیئے کہ وہ اس کو پورا کرے خواہ کتنے ہی مصائب درپیش ہوں۔ اور امر بھی یہی مسلّم ہے کہ مشکل مقامات میں انسان کو مصائب و تکالیف پیش آتی ہیں۔ بلکہ ہر قدم پر تکلیف اور دشمنوں سے مقابلہ اولاد اور مال اور جان کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ مقصود آزمائش سے یہ ہوتا ہے کہ آیا ان مصائب اور تکالیف کے ساتھ بھی یہ ذمہ داری پوری کر سکتا ہے یا نہیں۔ قرآن پاک نے اس پر نص بھی فرمایا ہے۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لا یفتنون (کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو) بلکہ ضرور آزمائش کی جائیگی

اسی لئے تو حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام آزمائشوں میں مبتلا ہوتے رہے اگر ان کا مقابلہ کسی طاغوتی اور مادی طاقت نے کیا تو ان نفوس قدسیہ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نو سو سال کے قریب شیطانی قوتوں کا مقابلہ فرماتے رہے جو تکالیف و مصائب آئے ان کو بسر و چشم برداشت کرتے رہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا جائے کہ آپ کو کفار آگ میں ڈالتے ہیں آپ بے فکر ہیں۔ ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں کہ ہم مدد کے لئے آئے ہیں اگر حکم ہو تو اس آگ کے ساتھ آپ کے دشمنوں کو جلا دیں آپ فرماتے ہیں خلوا بینی و بین حبیبی یعنی میرے اور میرے دوست کے معاملہ میں مت دخل دو۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام آتے ہیں وہ بھی عرض کرتے ہیں کہ حضرت امداد کے لئے حاضر ہوں ان کو بھی فرمایا جاتا ہے کہ مجھے تمہاری امداد کی حاجت نہیں حضرت جبریئل علیہ السلام عرض کرتے ہیں جناب جس کے ساتھ آپ کی حاجتیں وابستہ ہیں اس سے کہیئے وہ مدد کرے فرمایا وہ میرے حال کو میرے سوال سے زیادہ جانتا ہے (سبحان اللہ) کیسا توکل ہے اس مقام پر انسان کی عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسا اطمینان حاصل ہے۔ کیوں نہ ہو جس کو مقام معرفت و نبوت حاصل ہو اسکی شان یہ نہ ہو تو کس کی ہو؟ یہاں پر بھی معاملہ ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ حکم ہوتا ہے کہ اپنے نور چشم و لخت جگر فرزند حقیقی جناب اسمٰعیل علیہ السلام کو میری خوشنودی و رضا کے لئے قربان کر دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر بھی بلا تردد و اضطراب کمربستہ تیار ہو جاتے ہیں

جناب اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلقوم مبارک پر چھری رکھی جاتی ہے۔

خداوند قدوس سے حکم آتا ہے۔ اے میرے خلیل تم نے میرے حکم کی تعمیل کر دی ہے تم اپنے نصب العین میں صحیح اترے ہو تم ہی خلیل ہونے کے قابل ہو۔ تم اس کے لائق ہو کہ مرتبہ خلت کی رفعتوں تک تمہیں پہنچایا جائے۔ حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعونی قوت کا مقابلہ کیا اپنے وطن کو ترک کیا مدین کی طرف ہجرت کی۔ راستہ میں صعوبتیں اٹھائیں

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھو آپ اٹھارہ سال متواتر بیمار رہتے ہیں اولاد مال بلکہ جمیع اسباب ظاہری ختم ہو جاتا ہے مگر آپ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا جاتا ہے حضرت ذکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق عوام و خواص جانتے ہیں کہ آپ نے کتنے مصائب برداشت فرمائے ہیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ مختار کل فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ظاہر ہے۔ کہ آپ نے کسقدر مصائب و آلام اٹھائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی نبی نے اتنے صدمے نہیں اٹھائے جتنے ہم کو اٹھانے پڑے اسی گلستان کے پھول امام عالی مقام جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں آپ نے جو اس دنیا پر مصائب و تکالیف

برداشت فرمائی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ ہر انسان ذی شعور و واقف و دانا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے اگر بڑی بڑی تکالیف کے نفوس قدسیہ اس لئے متحمل ہوتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں اتنے مستغرق ہوتے ہیں کہ مولیٰ حقیقی کی تکلیف کو بھی آرام جانتے ہیں۔ ؎ ہر بلا کز دوست آید راحت است فارسیوں کا مشہور مقولہ ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ "ضَرْبُ الْحَبِیْبِ زَبِیْبٌ" دوست کی مار میں بھی لطف انگیز ہے۔

چونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت انتہا درجہ کی ہوتی ہے۔ اس لئے جو اللہ تعالیٰ کے قانون و احکام کا مخالف ہو اس کے ساتھ بھی اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کو عداوت اور بغض ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار اور محبوب ہو اس کے ساتھ ان کی غیر معمولی محبت ہوتی ہے یہ جزو ایمان ہے۔ امام عالی مقام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے ساتھ عداوت اور بغض اسی نوعیت کا تھا۔

عداوت کا پس منظر

بعض لوگوں نے عداوت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی (مطلقہ) نے چونکہ نکاح امام عالی مقام سے کر لیا تھا اور یزید بھی اس کو پیغام نکاح بھیج چکا تھا یزید کے ساتھ نکاح کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور حضرت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ کو پسند کر لیا۔ یہ وجہ عداوت ہوئی اور آتش رقابت بھڑک اٹھی بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ یزید آپ کو اس بات پر مجبور کرتا تھا کہ آپ مجھے خلیفہ تسلیم کر لیں۔ آپ ایک نااہل فسق و فجور میں مبتلا شخص کی کیسے بیعت کر سکتے تھے۔ راقم الحروف کہتا ہے۔ وجہ عداوت کی وہ بھی ہو سکتی ہے۔ جس کی طرف اولاً اشارہ کر دیا گیا ہے۔ کہ یزید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک مبغوض تھا اس لئے وہ امام کے نزدیک بھی مبغوض تھا مزید یہ کہ وہ امام حق کے مقابلہ پر امامت کا مدعی ہوا اور اہل اسلام سے مجبوراً بیعت لینی شروع کر دی امام حق (حسین رضی اللہ عنہ) پر لازم تھا کہ وہ اس کا انسداد فرماتے لوگوں سے خود بیعت لیتے اہل اسلام اور ذی شعور انسان تمام اس چیز کو جانتے تھے کہ حق امام عالی مقام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہے یزید اپنے دعویٰ میں کاذب ہے اور نہ ہی اس میں امامت کی صلاحیت ہے۔ غیر معمولی درجہ کا فاسق و فاجر ہے۔ شعائر اسلام کی پرواہ نہیں کرتا۔ اہل بیعت کرام کی محبت اس کے دل میں نہیں جو کہ جزو ایمان ہے صرف لوگ ہی دنیا کے لالچ اور طمع اور حرص میں مبتلا ہو کر یزید کے ساتھ بیعت کر رہے تھے۔ کامل مسلمان کوئی بھی اس کی بیعت کا قائل نہ تھا۔ اور نہ ہی کسی کامل مسلمان اور مومن نے اس کی بیعت کی تھی اور عوام و خواص اس چیز سے بھی واقف تھے۔ کہ اس وقت اگر امامت کا اہل اور مستحق ہے تو فقط امام عالی مقام کی ذات مقدس ہے۔ اسی وجہ سے امام کو یزید کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور یزید بھی یہ سمجھ چکا تھا جب امام عالی مقام کی ذات مقدس موجود ہے تب تک میری حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی اس نے بھی امام کے مخالف سازشیں شروع کر دیں۔

حضرت امام عالی مقام کا صدق و اخلاص

جہاں تک امامت و خلافت کا تعلق ہے وہ ایسا شخص ہونا چاہیئے جو کہ دین اور دنیا کے معاملہ میں نہایت مخلص ہو اور قوم کو اس پر انشرح صدر سے شرح خوب وثوق و اعتماد حاصل ہو یہ چیز صرف امام عالی مقام میں پائی جاتی تھی یزید میں یہ چیز بالکلیہ مفقود تھی۔ اور امام وقت کے لئے یہ بھی ایک جزو لاینفک ہے۔ کہ وہ ہر بات میں صادق ہو تبھی تو اس پر اعتماد ہوگا یزید میں یہ بھی مفقود۔ آپ کے اخلاص اور صدق پر یہ بین دلیل ہے کہ آپ نے صرف دین اسلام کی خاطر یزید کا مقابلہ کیا باوجودیکہ آپکو علم ہے کہ اسوقت یزید کے پاس تمام مادی طاقتیں موجود ہیں۔ فانی دنیا کے محب یزید کے معاون ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا کے لئے میدان جہاد میں تشریف لے جاتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس چیز کی تصریح کی ہے۔ کہ جہاد ایک دشوار عمل ہے۔ اس میں سخت تکلیف گوارا کرنے مال اور جان کو قربان کرنے اور وطن اور ضروریات دنیا سے علیحدہ ہونے کی ضرورت ہے۔ ایسی مشکل عبادت پر وہ شخص پیش قدمی کر سکتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین پر انتہائی درجہ خلوص کے ساتھ یقین رکھتا ہو اور آخرت کو دنیا پر مقدم سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ پر خوب اس کو توکل ہو۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا عین ایمان ہو ان صفات جمیلہ کا مصداق حضرت عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ یزید اس لئے مستحق امامت و خلافت بھی صرف آپ کی ہی ذات مقدسہ تھی۔

معیار شہادت

جب اس امر کی تحقیق ہو چکی کہ امامت اور خلافت کے مستحق صرف امام عالی مقام تھے تو یہ عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہیں کہ ذاتی اقتدار یا انتقام یا کسی دنیاوی غرض کے لئے قتل ہو جانا شہادت نہیں ہے اور نہ ہی۔۔۔۔ اپنی شجاعت کے لئے مرجانا شہادت ہے۔

پھر سوال ہوگا۔ شہادت کس چیز کا نام ہے تو جواباً عرض ہے۔ کہ یہ سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا شہید وہ شخص ہے۔ جو اعلائے حکمۃ اللہ کے لئے لڑے اور اس کا مقصود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا ہو اور قتل ہو جائے یہی حقیقتاً مجاہد اور شہید ہے۔ اسی کے لئے وہ بشارتیں ہیں جو کہ حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں اور اسی کو قرآن پاک نے فرمایا ہے کہ یہ زندہ ہے اس کو مردہ مت کہو جس نوعیت کی زندگی اس کو عطا کی گئی ہے تمہیں اس کا شعور نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں سے ہے اس نے اپنے محبوب حقیقی کے لئے اتنی محبوب جان کو قربان کر دیا ہے بلکہ اپنی اولاد و عیال کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جہاد یزید کے ساتھ صرف اعلاء حکمۃ اللہ کے لئے تھا۔ جب کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آپ کا مقصد فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا تھا۔ یہ خیال کرنا کہ آپ نے ذاتی اقتدار یا کسی دنیوی

غرض کے لئے یزید کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ قطعاً غلط ہے۔ بلکہ عدم ایمان کے مترادف ہے۔ سوائے خوارج کے یہ کسی ملت کا قول نہیں۔

ثمرۂ شہادت

عادۃ و حکمۃ اللہ یوں جاری ہے۔ کہ کسی محسن کا اللہ تعالیٰ اجر ضائع نہیں فرماتے جب انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے اپنی پیاری جان کو قربان کرتا ہے۔ تو اس پر جو اس کو اولاً صلہ عطا کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مولا حقیقی اس پر راضی ہو جاتے ہیں اس سے بڑھ کر انسان کی اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ قدوس کی رضا ہی نا ئز المرامی اور فوز عظیم ہے قرآن پاک میں فرمایا ورضوان من اللہ اکبر ذالک ہو الفوز العظیم ترجمہ۔ اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اہل جنت کو جب جنت میں داخل کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو۔ تو اہل جنت جواباً عرض کریں گے اے ہمارے مالک ہمیں وہ چیزیں یہاں پر عطا کی گئی ہیں جو اور لوگوں کو نہیں دی گئیں۔ ہم راضی کیوں نہ ہوں۔ پھر مولیٰ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس سے بھی افضل ہم تم کو عطا کریں گے۔ اہل جنت عرض کریں گے وہ افضل کیا چیز ہے ارشاد ہو گا کہ ہم تم راضی ہو چکے ہیں۔ یہ ایسی رضا ہے جس کے بعد ابداً ناراضگی نہ ہو گی اس سے معلوم ہوا جو رضا ابدی ہو اس سے بڑھ کر اور کسی چیز کا مقام نہیں۔ شہید کو بھی یہی رضا حاصل ہو گی اسی لئے شہید کے خون کے متعلق فرمایا کہ رنگ اس کا رنگ خون والا ہے لیکن خوشبو اس کی کستوری کے مانند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید کا خون نہایت ہی محبوب ہے۔

اسی رضا کا سبب یہ بھی فرمایا کہ شہدار میرے پیارے بندے ہیں ان کو مردہ نہ کہو ہم ان سے راضی ہو چکے ہیں ان کو ایسی زندگی عطا فرمائیں گے جس تک تمہارے شعور اور عقل کی پرواز نہیں ہم ان کو ایسی چیزیں عطا فرمائیں گے۔ جن سے وہ خوش ہو جائیں گے۔ ان کا نام ہمیشہ ہمیشہ ہم دنیا پر زندہ رکھیں گے ان سے ہم راضی ہو چکے ہیں۔ یہ ہم سے راضی ہیں واللہ در القائل ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی جان کو ہی قربان نہیں کیا بلکہ دین اسلام کے لئے اپنے احباب اور اہل وعیال کو بھی قربان کر دیا۔ اس گھرانے کے صدقے ہی اسلام زندہ ہے۔ اور قیامت تک زندہ رہے گا اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کے ارواح طیبہ پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے علی طریق کامل راضی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی طفیل ہم تمام مسلمانوں کو نجات فرمائے۔ آمین

از غلام رسول غفرلہٗ گجراتی
صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ

شہیدِ کربلا ؓ

قمر انصاری شجاع آبادی

مرحبا اے پیکرِ صبر و رضا ابنِ علی
شوق ہے [illegible] حق دید یا ابنِ علی

دیکھتے ہی منظرِ [illegible] کربلا ابنِ علی ۔ با خدا تھرا گئے ارض و سما ابنِ علی
اہلِ دل اہلِ نظر اہلِ وفا ابنِ علی ۔ مرکزِ لطف و عطا جود و سخا ابنِ علی
مضطرب تھی امتِ بے دست و پا ابنِ علی ۔ تیرا دم ثابت ہوا مشکل کشا ابنِ علی
اللہ اللہ آپ کا یہ حوصلہ ابنِ علی ۔ راہِ حق میں گھر کا گھر قربان کیا ابنِ علی
دو جہاں میں کوئی ہمسر آپ کا ابنِ علی ۔ ہاں نہیں ہے ہاں نہیں ہے با خدا ابنِ علی
ہو گیا اسلام کا سرسبز گلشن ہو گیا ۔ آپ کے خوں سے شہیدِ کربلا ابنِ علی
مزرعۂ اسلام کو سینچا جگر کے خون سے ۔ ڈال دی دنیا میں بنیادِ وفا ابنِ علی
راحتِ قلبِ علی اے راحتِ جانِ بتول ۔ آپ ہیں لاریب جانِ مصطفےٰ ابنِ علی

ہے بصد آداب یہی آپ سے عرضِ قمر
بخشوا لینا مجھے روزِ جزا ابنِ علی

فضائل اصحاب اربعہ

فیض رقم کاشف ظلمات ضلالت معین الملت
پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب مدظلہ علی پوری
پروانۂ مدینۃ المنورہ زادہ اللہ عزاً و شرفاً

از قلم

حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اور آپ کی اہل بیت اور عترت ہدایت کے دو مینار ہیں قرآن پاک اور احادیث میں ان دونوں کا ذکر بکثرت ہے۔ ان دونوں سے نسبت، عقیدت ایمان کی علامت اور نشان ہیں یہ دونوں ہو نبوت کی ضیا اور مظہر ہیں ایمان کو اس کے کمال حقیقی تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں سے تمسک کیا جائے۔ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کے لزوم کی کیسی لطیف مثال دی ہے۔ کہ میری اہل بیت سفینۂ نوح کی مانند ہے۔ اور میرے اصحاب تاروں کی مانند ہیں۔ نجات اور راہ یابی کا تعلق ان دونوں کے ساتھ ہوتا ہے جو بایں خیز طوفان میں کشتی میں سوار نہ ہوگا۔ وہ دولت نجات سے محروم ہوگا۔ جو ضلالت کی گھٹاٹوپ اندھیریوں میں تاروں سے بے نیاز ہوگا۔ وہ کبھی منزل مقصود تک پہنچنے کی مسرت حاصل نہیں کر سکے گا۔ اصحاب اور اہل بیت کی محبت ہی تو ہے جس سے ایمان کو جلا ملتی ہے۔ ان دونوں کی محبت ایمان کا ترازو ہے جس نے ان دونوں پلڑوں کو محبت میں ہموار اور برابر رکھا وہ ایماندار ہے۔ اور جو کوئی ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہوا وہ یا رفض کے تنگ و تاریک غاروں یا خروج کے ہلاکت خیز سمندر میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو ہر مسلمان کو محبت ہے اور جس پر ایمان کی اساس

ہے۔ اس کا مقتضا اور تاثر یہ ہے کہ ہر اس چیز کو اپنی آنکھ کا نور اور دل کا سرور جانے جس کی ادنیٰ سی بھی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو عشاق کی نسبت تو یہ مشہور ہے کہ محبوب کی گلی کے کتے کے پاؤں انہوں نے چوم لیے تھے۔ چہ جائیکہ کہ محبوب کے جان نثار دوستوں اور قرابتداروں سے بے رخی کی جائے۔ میں اپنے شیخ کامل قیوم زماں قطب دوراں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے چند واقعات لکھتا ہوں اس سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ محبوب کی محبت کی عشاق کی نگاہ میں کتنی قدر و منزلت ہے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ مدینہ منورہ میں۔ وہاں کے کتوں کی دعوت کرتے اور ان کے لئے پر تکلف کھانا تیار کرواتے اور برتنوں میں ڈال کر انہیں کھلاتے۔ اور ان کو کتا کہنے سے بھی اجتناب کرتے جب ان کا ذکر کرتے تو مدینہ شریف کا درویش کہا کرتے۔ علی پور شریف میں اہل عرب حضور کی خدمت میں بکثرت آتے اور ان کے آنے کی یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کا صدقہ آپ ان کا احترام کرتے اور ان کی مالی امداد کرتے آپ ان کو سگریٹ نوشی سے منع نہیں کرتے تھے حالانکہ آپ کو اس سے سخت نفرت تھی اور آپ کے سلسلہ

میں حقہ پینا سخت منع ہے۔ آپ جب بیعت کرتے ہیں تو مریدین کو خصوصیت سے حقہ سے منع کرتے ہیں مدینہ شریف کا ایک واقعہ ہے۔ کہ آپ وہاں کے رہنے والوں کو روپے بانٹ رہے تھے ایک شخص جو پنجاب کا رہنے والا تھا۔ عربی لباس میں حاضر ہوا آپ نے اس کو بھی روپے دیئے۔ اس نے عرض کی حضور میں تو آپ کا غلام فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میں عربی نہیں ہوں۔ میں عربی نہیں ہوں: آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر میں نے روپے تمہیں اس لئے دیئے کہ تو عرب کے لباس میں آیا ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کی جو نسبت حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے وہ بہت ہی نرالی اور نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے آپ کا ارشاد ہے کہ صحابہ کے ساتھ جو محبت رکھتا ہے۔ اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ اس لئے رکھتا ہے کہ اس کو میرے ساتھ بغض ہے تمام صحابہ میں جو فضیلت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی ذوالنورین اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہے وہ کسی کو نہیں۔ ان چاروں کے مابین جو فضیلت ہے وہ خلافت کے اعتبار سے ہے جو اول ہے وہ اول جو ثانی ہے وہ ثانی ان میں سے ہر ایک کے فضائل اور خصائص اتنے ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔

ان چار صحابیوں میں صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایسے ہیں جو آپ کی اہل بیت سے ہیں۔ اس میں یہ لطیف اشارہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو اصحاب اور اہل بیت دونوں سے محبت کا مدنا ضروری ہے۔ گویا یہ چاروں قرب خداوندی کے تخت کے چار پائے ہیں ان میں سے جو پہلے تینوں کو مانتا ہے اور حضرت علی کو نہیں مانتا اس نے اس تخت کے ایک پائے کو توڑ دیا اور جس نے حضرت علی کو مانا اور تین اصحاب سے بغض رکھا اس نے اس تخت کے تین پائے توڑ دیئے! تخت کے پائے کو توڑ نے کے جرم میں یہ دونوں قسم کے لوگ برابر کے شریک ہیں۔ یہ اول الذکر قرب خداوندی کی نعمت سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ نہ مؤخر الذکر اب ہم ذیل میں ان چاروں کے فضائل میں قرآن پاک میں جو آیات نازل ہوئی بیان کریں گے۔ اس سے یہ امر واضح ہو جائے گا۔ کہ اصحاب سے یا اہل بیت سے بغض رکھنا مقتضائے قرآن کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

پ ۴ سورہ آل عمران:

اے ایمان والو! تم صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

اس آیۃ کریمہ میں ایمانداروں کو حکم ہوتا ہے کہ تم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں صبر کرو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں ان کے مخالفین کے مقابلہ میں مضبوط رہو۔ اور حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں لگے رہو اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ

تم اپنے مطلوب کو جو کہ رب تعالیٰ کی خوشنودی ہے پاکر کامیاب ہو۔ طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول والتین سے جس کے معنی انجیر کے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ والزیتون سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ اور طور سینین سے حضرت عثمان اور ھذا البلد الامین سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہیں۔ ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سورۃ والعصر پڑھی اور پوچھا یا رسول اللہ اس کی تفسیر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا والعصر قسم ہے اللہ تعالیٰ کی دن کے پچھلے حصہ کے ساتھ ان الانسان لفی خسر تحقیق انسان یعنی ابوجہل: خسارے میں ہے۔ الا الذین آمنوا مگر وہ کہ ایمان لائے یعنی ابوبکر: وعملوا الصالحات اور جنہوں نے نیک عمل کئے یعنی عمر: وتواصوا بالحق اور جنہوں نے حق کی وصیت کی یعنی عثمان: وتواصوا بالصبر: اور جنہوں نے صبر کی وصیت کی یعنی علی: رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین: بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن پاک میں والصابرین سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں والصادقین سے حضرت ابوبکر اور والقانتین سے حضرت عمر اور والمنفقین سے حضرت عثمان اور والمستغفرین بالاسحار سے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ شمس الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول والشفع میں کہا ہے کہ اس سے مراد خلفاء اربعہ اور والوتر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے۔

خلفاء اربعہ کے فضائل حدیث شریف سے

حضور نبی اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
اے اللہ تو نے میری امت کو میری صحابت میں برکت دی۔ پس تو ان سے برکت کو سلب نہ کر۔ ان کو جمع کر دے ابوبکر پر اور عزت دے عمر ابن الخطاب کو اور صبر دے عثمان کو اور توفیق دے علی کو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ابن ابی جمرہ کی شرح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میں سخاوت کا شہر ہوں۔ اور ابوبکر اس کا دروازہ ہے۔ میں شجاعت کا شہر ہوں۔ اور عمر اس کا دروازہ ہے۔ میں حیا کا شہر ہوں اور عثمان اس کا دروازہ ہے۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے: (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔۔۔۔ کتاب الفردوس میں بروایت ابن مسعود ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا ابوبکر اسلام کا تاج اور عمر اس کا حلہ اور عثمان اس کا جواہر دار کمر بند ہے اور علی اس کا طیب ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں کرم کا شہر ہوں۔ ابوبکر اس کی بنیاد ہے اور اس کی دیواریں عمر ہے اور اس کی چھت عثمان اور اس کا دروازہ علی ہے۔

دامغانی نے کہا کہ ابوبکر نبوت کی عزت اور عمر نبوت

کا حزانہ اور عثمان بنوت کا خزانہ اور علی بنوت کا نقش ونگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول وحملنا علیٰ ذات الواح ودسیر کی تفسیر میں شواہد الملیح میں لکھا ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے کشتی کو تیار کیا تو جبریل علیہ السلام نے انکو چار کیل لاکر دیئے۔ ان میں ایک کیل پر ابوبکر دوسرے پر عمر تیسرے پر عثمان چوتھے پر علی لکھا ہوا تھا۔ اور کہا کہ ان کیلوں سے ایک ایک کیل کشتی کے ایک ایک کونے میں گاڑ دو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کے ان دوستوں کے نام کی برکت سے کشتی کو پانی کے اوپر چلایا اور غرق ہونے سے روکے رکھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی نبی مگر اس کی نظیر ہے۔ میری امت میں (یعنی بعض خصلتوں میں وہ نبی کے مشابہ ہوتا ہے بس ابوبکر نظیر ہے۔ ابراہیم کی اور عمر نظیر ہے موسیٰ کی اور عثمان نظیر ہے۔ ہارون کی اور علی نظیر ہے۔ میری: صلی اللہ علیٰ انبیاء وعلیہم اجمعین:

ایک حدیث میں حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ ابوبکر بمنزلہ میری آنکھ کے اور عمر بمنزلہ میری زبان کے اور عثمان بمنزلہ میرے ہاتھ کے اور علی بمنزلہ میری روح کے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھ کو جبریل نے خبر دی ہے۔ کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کے جسم میں روح کو داخل کیا۔ تو مجھ کو حکم دیا کہ جنت سے ایک سیب لاکر اس کے حلق میں نچوڑ دوں جب میں نے بحکم خداوندی سیب کو نچوڑا تو اس کے پہلے قطرہ سے آپ کو پیدا کیا اور دوسرے سے ابوبکر کو اور تیسرے سے عمر کو اور چوتھے سے عثمان کو اور پانچویں سے علی کو پیدا کیا۔ آدم نے عرض کی اے اللہ یہ کون ہیں جن کو تو نے بڑی عزت عطا کی ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ تیری اولاد سے بزرگ ہستیاں ہیں اور یہ لوگ میرے نزدیک میری ساری مخلوق سے افضل ہیں پھر جب آدم سے لغزش اور خطا کا صدور ہوا تو آدم نے انہیں پانچوں کے وسیلہ سے مغفرت کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کیا اور گناہ کو بخش دیا۔ ایک دن حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح باہر نکلے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تکیہ کیا ہوا تھا۔ اور حضرت عمر آپ کی بائیں جانب تھے۔ اور عثمان نے آپ کی چادر مبارک کا ایک کونہ تھاما ہوا تھا۔ اور حضرت آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ہم جنت میں اسی طرح داخل ہوں گے جو ہم میں فرق کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

آپ نے فرمایا جس طرح نماز کے لئے تکبیر اولیٰ اور قرأت اور رکوع اور سجود ہے اس طرح میرے لئے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین:

نماز سب سے بہتر عبادت ہے

درِ شاہؐ پر اب غریب آ رہا ہے

از: الحاج حضرت عبدالرشید خاں صاحب قیصر
ارشد رحمانی

نبیؐ کا مدینہ قریب آ رہا ہے ٭ نظر وہ دیارِ حبیبؐ آ رہا ہے
سفر ہے مدینہ کا اللہ اللہ ٭ یہ قسمت سے وقت قریب آ رہا ہے
مداوائے دردِ جگر جلد ہو گا ٭ کہ بیمار پیشِ طبیب آ رہا ہے
کرم خسروانہ کی امید لیکر ٭ درِ شاہؐ پر اب غریب آ رہا ہے
جو کہنا ہے کہہ لو کہ داتا کا گھر ہے ٭ اجابت کو فضلِ مجیب آ رہا ہے
بہت دن ہیں سونے کے اٹھ جاؤ ارشدؔ
جگانے تمہارا نصیب آ رہا ہے

نعت شریف

جناب قاضی شمس الدین صاحب شمس جہوں

کس کو نبیوں میں کہتے ہیں شمس الضحےٰ ٭ کس کو اللہ نے ایسا رتبہ دیا!
کس کی قرآں میں ہو رہی ہے ثنا ٭ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ
کس کے ملنے کی مولیٰ کو تھی آرزو ٭ کس کی حور و ملائک کو تھی جستجو
کس کی خاطر دو عالم کو پیدا کیا! ٭ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ

میں تمہارا ہوں گرچہ گنہگار ہوں! ٭ تیری رحمت کا میں بھی طلبگار ہوں
اپنے دامن میں محشر میں لیجئے چھپا! ٭ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ

دردِ فرقت سے میں سخت لاچار ہوں ٭ کیا کہوں ہند میں کیوں گرفتار ہوں
کون ہے میرے اس دردِ دل کی دوا ٭ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ

کون ہے مہرباں رحمت عالمین!! ٭ کون ہے دلربا لامکاں کا مکیں!
کون ہے باعث خلق ارض و سما ٭ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ

شمس کو دردِ دل کس نے ایسا دیا! ٭ جس کا درماں نہیں ان کے دیکھے سوا
کون محشر میں امت کو بخشائے گا ٭ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ مصطفےٰ

عظمت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد منشا صاحب تابش متعلم دار العلوم فریدیہ بصیر پور

حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ سید الاولیاء شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نور نظر اور حضرت سیدۃ النساء بنت سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر کی ولادت باسعادت ۵ شعبان المعظم ۴ھ مدینہ منورہ میں ہوئی سرکار دو عالم نوید ولادت سنکر بہت خوش ہوئے۔

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام عالی مقام کو گود میں بٹھایا، پیار کیا داہنے کان میں اذان بائیں میں اقامت کہی۔ زبان مبارک کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں دیا۔

ساتویں دن ختنہ کیا اور دو بکرے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔ بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام شبیر (حسین) رکھا ابو عبداللہ کنیت، سید اقرۃ العین طیب، طاہر، شہید، سید الاسباط اور.... ریحانۃ الرسول وغیرہ کے القاب عظمیٰ سے نوازا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھ ماہ بطن مادر میں رہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بعد آپ ہی ایسے ہیں، جو چھ ماہ پیدا ہوئے وہ زندہ رہے۔ حضرت علامہ منہاج القادری مدظلہ اعضرت کی منقبت لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ؎

ازل سے آپ تھے ظل جمال حضرت یحییٰ علیہ السلام
ہر اک خو آپ کی تھی ہم خیال حضرت یحییٰ ! !
رہے چھ ماہ وہ بھی اور یہ بھی بطن مادر میں
ہوئے دونوں شہید اللہ اکبر راہ داور میں ! !
سکون و صبر و تسلیم و رضا میں دونوں یکساں تھے
وہ پیغمبر تھے سچے اور یہ سچے مسلماں تھے

حضرت سید الشہداء علم و حلم، صبر و استقلال، سخاوت و شجاعت، عبادت و ریاضت، حق گوئی و حق پسندی اور راضی برضائے الٰہی کے مجسمہ تھے

حضرت ابن ابی شیبہ اور حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

کان عالماً بالقرآن عاملاً علیہ، زاہداً تقیاً، ورعاً، جواداً، فصیحاً، بلیغاً، عارفاً باللہ و دلیل علیٰ ذاتہ کان الحسین البسط آیۃ من آیات اللہ۔

ترجمہ:۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کے عالم اور اس پر عامل، زاہد، متقی، پرہیزگار، گناہوں سے مبرا۔

متورع ، صاحب جود و کرم ، صاحب فصاحت و بلاغت ، عارف باللہ اللہ تعالیٰ کی دلیلوں میں دلیل اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے نشانی۔

راس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں فرمایا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے من احبھما فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی ؛

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدین ، کریمین امامین حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سونگھتے اور فرماتے ھما ریحانی فی الدنیا یہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

احمد ، طبرانی ، ترمذی ، وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسین و حسن جوانان جنت کے سردار ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ محب حسین محبوب خدا ہے۔

بخاری ، ابن ماجہ ، ترمذی وغیرہ میں ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین میری اولاد ہیں میرے دین کی بقا حسین سے ہوگی اور فرمایا جوان کا (حسین رضی اللہ تعالیٰ) دوست وہ ہمارا دوست۔ جوان کا دشمن وہ ہمارا دشمن۔

بارگاہ الٰہی میں سرور کائنات محبوب پروردگار نے عرض کیا الٰہی حسین و حسن کو میں دوست رکھتا ہوں تو بھی دوست رکھ۔

حضرت نیاز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یزید پلید کے بارے میں دریافت کیا تو آپنے جواباً فرمایا۔ جتنی دیر یزید پلید کے بارے میں اظہار خیال کیا جائے اس سے کہیں بہتر ہے کہ حسین و حسن کہا جائے وہی فرماتے ہیں۔

اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء یعنی حسین ابن علی جان اولیاء۔ القصہ حضرت امام عالی مقام کے فضائل خصائل احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں کہ

حسین ابن علی کا اوج رفعت کوئی کیا جانے
حسن جانے علی جانے نبی جانے خدا جانے
(رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قمر یزدانی پنوانہ ضلع سیالکوٹ

محمد گمرہوں کے راہ بر ہیں ✤ محمد بیکسوں کے چارہ گر ہیں
محمد وارثِ ہر خشک و تر ہیں ✤ محمد سیدِ جن و بشر ہیں
محمد مرجعِ ہر دیدہ ور ہیں ✤ محمد قبلۂ اہلِ نظر ہیں
تصرف میں ہے ان کے سب خدائی ✤ محمد صاحبِ شق القمر ہیں
ہے اُن کا نور ہر ذرّے میں پنہاں ✤ محمد دو جہاں میں جلوہ گر ہیں
ہوا کوئی نہ اُن جیسا، نہ ہوگا ✤ خلائق میں وہی خیر البشر ہیں
اُنہیں پھبتا ہے "تاجِ مصطفائی" ✤ وُہی کون و مکان کے تاجور ہیں
جو اپنی مثل اُن کو جانتے ہیں ✤ یقیں جانو، وہ احمق بے بصر ہیں

وہ جن کے در پہ جھکتا ہے زمانہ
وُہی تو راحتِ جانِ قمر ہیں

حضرت علی، حسن اور حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

ایک بار کا واقعہ ہے کہ جنگ یرموک کے موقع پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خط حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت روانہ کیا اور فتحیابی کے لئے دعا کی حضرت عبداللہ جب مسجد سے نکلے تو خیال آیا مجھ سے غلطی ہوئی، سلام بحضور خیر الانام عرض نہیں کیا چنانچہ روضۂ اقدس پر حاضر آئے، تو دیکھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضر مولیٰ علی اور حضرت عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر تھے۔ سیدنا امام حسن مولیٰ علی کی گود میں اور سیدنا امام حسین حضرت عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی گود میں تھے حضرت عبداللہ دعائے فتح و نصرت کے لئے عرض کیا۔ مولیٰ علی اور حضرت عباس رضی نے ہاتھ اٹھا کر روضۂ اقدس پر یوں دعا کی۔

اللّٰھم انا نتوسل بھذا النبی المصطفیٰ والرسول المجتبیٰ الذی نتوسل بہ آدم فاجبت دعوتہ وغفرت خطیئتہ بہ مبلک علی عبداللہ طریقۃ وطویت بہ البعید وایدت اصحاب نبیک بالنصرۃ انک سمیع الدعاء۔ اس کے بعد مولیٰ علی نے فرمایا کہ اے عبداللہ! اب حق تبارک و تعالیٰ عمر، عباس، علی، حسن اور حسین، ازواجِ رسول اللہ کی دعا رد نہ کرے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دعائے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کارگر ہوئی۔ (فتوح الشام جزو اول)

امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :-

قال نبی صلی اللہ علیہ وسلم من کنت ولیہ فعلی ولیہ۔ احمد والنسائی والحاکم عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند صحیح۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مددگار ہوں اس کے علی مددگار ہیں۔ حضرت علامہ مناوی نے فرمایا کہ یدفع عنہ مایکرہ علی اس کے مددگار ہیں۔ اس سے مکروہات و بلیات دفع فرماتے ہیں۔ ترمذی۔ ابی العلی و بیہقی میں ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک۔ اے علی میرے اور تمہارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ اس مسجد میں بحالِ جنابت داخل ہو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف میں تحریر فرماتے ہیں۔ قد خرج اھل التصحیح والائمۃ وانہ قسیم النار یدخل اولیاءہ الجنۃ واعداءہ النار :- اور مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسیم دوزخ ہیں اپنے دوستوں کو بہشت اور اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے۔

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما:- سیدہ طاہرہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرضِ وصال سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے شہزادوں کو لیکر حاضر ہوئیں اور عرض کی :- یا رسول اللہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ ان کو اپنی میراث میں سے کچھ عطا فرمایئے ارشاد ہوا کہ حسن کیلئے تو میری ہیبت اور میری سرداری ہے اور حسین

آستانہ عالیہ جماعتیہ نقشبندیہ

علی پور شریف کے سالانہ عرس شریف اور تبلیغی جلسہ کی عکاسی اور ترجمانی

حسب دستور سابق آستانہ عالیہ جماعتیہ نقشبندیہ علی پور شریف میں مرکزی انجمن خدام الصوفیہ پاک و ہند کے اہتمام و انصرام سے ۱۰، ۱۱ مئی مطابق ۲۸، ۲۹ بیساکھ بروز اتوار اور پیر بڑی شان سے سالانہ عرس شریف ہوا۔ زائرین اور وابستگان سلسلہ جماعتیہ نقشبندیہ دور دراز مقامات سے جذبۂ عشق و محبت سے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ ان کی رہائش کے لئے سجادہ نشین صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے کمروں کا انتظام تھا۔ ہر کمرے میں صفیں اور ان کے اوپر قیمتی دریوں کا فرش تھا پانی کے لئے مٹکے اور مٹی کے پیالے اور کوزے رکھے ہوئے تھے۔ زائرین اپنی رہائش گاہ میں جہاں ان کے لئے قیام کا بندوبست ان کی آمد سے پہلے کیا گیا تھا پہنچ گئے۔ اور اپنا بستر اور سامان رکھ کر اس طرح آرام سے بیٹھ گئے جس طرح کوئی مسافر اپنے گھر پہنچ کر راحت و آرام کا سانس لیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت امیر ملت قدس سرہ کے عشاق اور پروانوں نے آپ کے مزار پر انوار کی حاضری دی اور رو رو کر دعائیں مانگیں اور ایصال ثواب کا ہدیہ پیر و مرشد کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر شمس الملت حضرت مولانا الحاج پیر سید نور حسین شاہ صاحب سجادہ نشین و دیگر پیران آستانہ شریف دامت برکاتہم کی زیارت و ملاقات سے دل کو تسکین دی۔

جو زائرین ایک امیر کے تحت کسی رہائش گاہ میں مقیم ہوتے ہیں۔ ان کو صبح کا ناشتہ اور دوپہر اور شام کا کھانا وہیں مل جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو ایک جگہ بٹھا کر پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھلایا جاتا ہے۔ شمالی حویلی سے جنوبی حویلی تک ایک لمبی گلی میں مختلف اشیاء کی دو رویہ دکانوں کا نہایت خوبصورت بازار سجا ہوا ہوتا ہے۔ جس کو دیکھ کر ایک شہر کا گمان ہوتا ہے۔ ان دوکانوں میں کھانے کے اور چائے کے ہوٹل اور حلوائیوں اور مشروبات کی دوکانیں ہیں۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ کے مزار شریف کے سامنے آپ کے ذوق کے مطابق دینی کتابوں کی دوکانیں لگی ہوئی ہیں۔ اور مدرسہ نقشبندیہ کے طلباء کی طرف سے ایک چائے کا ہوٹل ہے۔ مسجد نور جو سنگ مرمر سے حضرت قبلۂ عالم امیر ملت نے صرف کثیر سے عجوبۂ روزگار تعمیر کروائی ہے۔ برقی قمقموں اور ٹیوبوں سے جگ مگ جگ مگ کر رہی ہے۔ جلسہ گاہ کو شامیانوں اور رنگدار منقش پردوں کے ساتھ جو دیواروں کے ساتھ آویزاں ہیں مزین اور آراستہ پیراستہ کیا ہوا ہے سٹیج پر دری بچھا کر شرعی طریق کے مطابق گدے اور تکیے رکھے ہوئے ہیں۔ ان تکیوں اور گدوں کے ساتھ مشائخ اور علماء بیٹھے ہوئے ہیں۔ لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے۔ سامعین اللہ اور اس کے رسول کا اور اپنے پیر و مرشد کا ذکر جمیل سننے کے لئے ہمہ تن گوش بنے بیٹھے ہیں۔ کبھی کوئی نعت خوان

سٹیج پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور سرکار دو عالم کی بارگاہ عالی میں ہدیۂ نعت پیش کرتا ہے۔ اور کبھی کوئی عالم تشریف لاتا ہے اور خطبۂ مسنونہ اور آیت کریمہ کی تلاوت کے بعد حاضرین کے قلوب کو اپنے وعظ سے تابندگی بخشتا ہے۔ جناب حافظ نور احمد صاحب و پروفیسر منشاد علی صاحب سٹیج پر تشریف لانے والے کا تعارف کرواتے ہیں۔ جب مقرر تقریر کرتا ہے تو اس کی ضیاپاش تقریر سے تھوڑے تھوڑے فصل کے بعد ہر طرف سے تکبیر و رسالت اور حضرت امیر ملت زندہ باد: حضرت شمس الملت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عالم قدس سے رحمت کے ملائکہ اتر رہے ہیں۔ پہلے دن کا اجلاس جو اتوار کو صبح ۹ بجے شروع ہوا۔ اس کی اجمالی روئداد یہ ہے کہ حافظ عبداللطیف صاحب منشی فاضل خطیب جامع مسجد ٹبہ ککے زئیاں سیالکوٹ نے اپنے مخصوص انداز میں تلاوت قرآن پاک کی۔ اس کے بعد حافظ محمد رمضان صاحب مدرس مدرسہ نقشبندیہ نے تلاوت قرآن پاک کی۔ آپ کے بعد خواجہ محمد کرم الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظم پڑھی اور خراج تحسین حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت مولانا محمد عالم صاحب خطیب کھاریاں چھاؤنی نے اتباع شریعت پر نہایت مدلل وعظ فرمایا۔ جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا آپ کے بعد مولانا مولوی محمد شفیع صاحب خطیب کاموکے نے صحبت شیخ پر بڑے عالمانہ انداز سے مؤثر تقریر فرمائی آپ کے بعد پروفیسر منشاد علی صاحب سیکرٹری انجمن خدام الصوفیہ نے اپنے مخصوص انداز میں اسلام اور سائنس کے موضوع پر بصیرت افروز تقریر کی۔ پھر جناب مولانا حافظ عبدالحمید صاحب جماعتی نقشبندی خطیب کیمبلپور نے فضائل ناجلا

مدینہ پر نہایت مؤثر اور دلکش تقریر فرمائی ......

..... اور اپنی تقریر میں وہ عالمانہ نکات بیان فرمائے جس سے حاضرین کا سمجھدار طبقہ بڑا ہی محظوظ ہوا۔ آپ کے بعد الحاج حکیم مبارک احمد صاحب امیر حلقہ اور حضرت قبلۂ عالم امیر ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منظور نظر ثنا خواں نے بڑے سوز و گداز سے اس طرح نعت شریف پڑھی۔ کہ تمام حاضرین کو ایک وجد کے عالم میں کر دیا۔ آپ کے بعد جناب شیخ افتخار احمد صاحب اور صابر صاحب نے جو آستانہ عالیہ کے مشہور اور پرانے نعت خواں ہیں۔ اور حضرت قبلۂ عالم کے منظور نظر ہیں۔ نعت خوانی کی ان کے بعد خاکسار ایڈیٹر انوار الصوفیہ کا وقت تھا مگر افسوس کہ یہ ناچیز وقت مقررہ پر حاضر نہ ہو سکا۔ میرا موضوع تھا۔ ضرورت شیخ انشاء اللہ اس مضمون کو رسالہ انوار الصوفیہ میں لکھ کر اس کی تلافی کی جائے گی۔ پھر جناب صوفی محمد اسمٰعیل صاحب رنگپوری نے نعت شریف پڑھی۔ اور حاضرین سے داد تحسین لی اور پھر جناب گلفروش صاحب وزیرآبادی نے جو پنجابی زبان کے مشہور شاعر اور نعت خواں ہیں اور عموماً اپنی تصنیف شدہ نعتیں پڑھتے ہیں۔ نعت خوانی کی جس سے حاضرین کے قلوب نہایت خورسند ہو رہے تھے۔ اور ایک ایک مصرع پر نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے داد دے رہے تھے۔ اس کے بعد یہ جلسہ سلام و قیام کے ساتھ ختم ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت الحاج پیر محمد صدیق صاحب و حضرت الحاج پیر محمد شفیع صاحب سجادہ نشین مبارک عالی چورہ شریف نے فرمائی۔

دوسرا اجلاس بعد از نماز مغرب ۸ بجے سے ایک بجے شب تک

(اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

مدرسہ نقشبندیہ کے طلباء نے باری باری تلاوت قرآن
مجید سے جلسہ کا آغاز کیا۔

اس کے بعد سعید احمد و مقبول حسین عزیزان حکیم
مبارک احمد صاحب نے نعت سنائی۔ جناب سید یامین
علی شاہ صاحب ملتانی نے فضائل اہل بیت پر تقریر کی جناب
مولانا منشی احمد الدین صاحب گجراتی نے راہ نجات اور
اتباع صالحین کے موضوع پر بصیرت افروز تقریر فرمائی جس
سے حاضرین نہایت محظوظ ہوئے۔ تقریر کیا تھی، علم و عرفان
کی بارش ہو رہی تھی۔ پھر قاضی شمس الدین صاحب مہاجر
جموں حال مقیم سیالکوٹ نے حضرت امیر ملت رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی شان میں قصیدہ پیش کیا۔ پھر جناب مولانا
الحاج محمد صادق صاحب خطیب جامع زینت المساجد
گوجرانوالہ نے حیات النبی صلعم کے موضوع پر عالمانہ اور
نہایت مدلل وعظ فرمایا۔ اس تقریر سے سامعین
کے دلوں کو ایک روحانی کیف سے سرشار و مسرور فرمایا
بعد ازاں جناب مولانا صاحبزادہ پیر سید افضل حسین
شاہ صاحب اطال اللہ عمرہٗ نے صحبت صالحین پر
کتاب و سنت کی روشنی میں نہایت عمدہ تقریر فرمائی آپ
کی تقریر کا ایک ایک جملہ لوح قلب پر لکھنے کے قابل تھا
ہر طرف سے داد تحسین کی موسلا دھار بارش ہو رہی
تھی۔ بعض عشاق وجد میں آ گئے۔ لوگوں کی تمنا تھی کہ آپ
تقریر کا سلسلہ جاری رکھیں۔ مگر آپ نے وقت کی
پابندی کی وجہ سے تقریر کو ختم فرمایا۔ بعد ازاں سید احمد شاہ
صاحب گجراتی نے جو ولی کامل صوفی اکمل حضرت الحاج
مولانا پیر ولایت شاہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں
قلب سلیم پر تقریر فرمائی۔ جس سے حاضرین نہایت محظوظ
ہوئے۔ آخر ایک بجے سلام و قیام کے ساتھ یہ اجلاس
بھی ختم ہوا۔

- بروز پیر نشست اول صبح ۸ بجے سے ۲ بجے تک

یہ اجلاس پیران آستانہ چورہ شریف کی صدارت
میں منعقد ہوا۔ حافظ عبد اللطیف صاحب نے تلاوت
قرآن شریف سے اس کا آغاز کیا۔

قاری امداد حسین صاحب لاہوری نے نعت شریف
پڑھی، مولانا غلام جیلانی صاحب نے نہایت اچھے لب و لہجہ
میں حضرت امیر ملت کی اسلامی خدمات پر تبصرہ فرمایا!
پھر زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین مولانا الحاج پیر
محمد شفیع صاحب سجادہ نشین چورہ شریف نے کرامات
اولیاء کے موضوع پر بڑی نورانی اور پاکیزہ اور مدلل تقریر
فرمائی جس سے حاضرین کے قلوب روحانیت کی دولت
سے بھر پور ہو گئے۔ بعد ازاں زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین
مولٰنا الحاج پیر سید انور حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی
نے ادب پر تقریر فرمائی اور لوگ نہایت محظوظ ہوئے۔
بعد ازاں حضرت مولانا حافظ غلام رسول صاحب صدر
مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف نے حضور پر نور
صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت محمدیہ پر مدلل وعظ فرمایا آپ
نے اپنے وعظ کو قرآنی آیات اور احادیث اور منطقی
دلائل اور مفسرین کے اقوال سے خوب مدلل کیا حاضرین
نے آپ کے وعظ سے دلوں کی تاریکی کو دور کر کے اس کو
نور ہدایت سے منور کیا۔ آپ کی تقریر سے نہ صرف

عوام مستفید ہو رہے تھے۔ بلکہ علماء نے بھی استفادہ کیا دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وفضل میں برکت دے آپ کی تقریر کے بعد حضرت مولانا الحاج محمد شریف صاحب خطیب ڈسکہ نے علم غیب کے موضوع پر عالمانہ اور بصیرت افروز اور لاجواب تقریر فرمائی۔ منکرین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا اس کے بعد سٹیج پر برات کی آمد ہوئی جناب پیر اشرف حسین شاہ صاحب اور پیر مقبول حسین شاہ صاحب عروسی لباس اور سہروں کی تابش سے ضیا پاشی کرتے ہوئے اپنے بزرگوں اور عمائدین قریہ کی معیت میں حضرت قبلہ عالم امیر ملت قدس سرہٗ کے مزار مقدس پر حاضری دینے کے بعد تشریف لائے۔ اس وقت کا منظر اور سماں قابل دید تھا۔ جلسہ گاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ ہر طرف مسرت وشادمانی کی بارش ہو رہی تھی۔ حضرت علامہ جوہر ملت نے میکروفون پر خطبہ مسنونہ پڑھا۔ اور حضرت مولانا الحاج پیر محمد شفیع صاحب سجادہ نشین چورہ شریف نے نکاح خوانی کی بعد ازاں دو بوریاں چھوہاروں کی تقسیم کی گئیں۔ اس کے بعد سلام و قیام کے ساتھ یہ اجلاس بھی اختتام پذیر ہوا۔

۱۱ مئی بروز پیر دوسرا اجلاس بعد از نماز مغرب

حافظ چراغدین صاحب ملتانی نے تلاوت قرآن شریف سے جلسہ کا آغاز کیا۔ بعد ازاں حضرت مولانا محمد رمضان صاحب خطیب لاہور چھاؤنی نے شیخ کامل کے اوصاف پر بصیرت افروز وعظ کیا۔ بعد ازاں مناظر اسلام حضرت مولانا الحاج عنایت اللہ صاحب خطیب جامع مسجد سانگلہ ہل نے عالمانہ اور مدلل وعظ فرمایا اہل سنت وجماعت کے مخالفین کا مسکت اور معقول رد فرمایا۔ بعد ازاں مولانا محمد صدیق صاحب افغانی متعلم مدرسہ نقشبندیہ نے فضائل اولیاء پر اور مولانا محمد عالم صاحب رضوی متعلم مدرسہ نقشبندیہ نے شان رحمۃ للعالمین پر اور مولانا مشتاق الرحمان قریشی فاضل مدرسہ نقشبندیہ دایم اسے نے اصلاح معاشرہ پر مدلل تقاریر کیں جن سے حاضرین جلسہ نہایت محظوظ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان طلباء کے علم وعمل میں برکت عطا کرے۔ آمین

ضلع جھنگ اور کوہاٹ کے یاروں نے جو انتظامیہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ قابل صد تحسین ہیں۔ رضا کار اور والنٹیئروں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں جو کردار ادا کیا ہے وہ بے مثال ہے۔ ضلع لائل پور کے یارانِ طریقت نے امسال جو نمایاں کارنامہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل علیحدہ چھپی ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہر دو صاحبزادگان کی نکاح خوانی پر شعراء کرام نے جو سہرے پڑھ کر سنائے اور داد و تحسین سے فیضیاب ہوئے ان کا ذکر آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(گوہر ایڈیٹر انوار الصوفیہ قصور)

انجمن خدام الصوفیہ لائلپور کی شمولیت تقریب سعید سالانہ عرس شریف علی پور

انجمن خدام الصوفیہ کا قافلہ جس میں قریباً ۲۰ افراد شامل تھے۔ بتاریخ ۱۰ مئی بروز اتوار علی الصبح بعد از نماز فجر ایک بس میں سوار ہو کر ۱۱ بجے دربار عالیہ علی پور شریف میں پہنچا۔ سیکرٹری شیخ غلام جیلانی صاحب پراچہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ باقاعدہ سبز رنگ کے بیجے جن پر خادم الجماعت انجمن خدام الصوفیہ لائلپور تحریر تھا۔ تیار کروا کر یاران طریقت کے سینے پر دائیں طرف لگا رکھے تھے۔

حاجی اللہ دو بایا صاحب خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت امیر ملت رضی اللہ عنہ نے اس قافلہ میں باتفاق رائے شیخ غلام جیلانی صاحب پراچہ کو امیر قافلہ منتخب کر دیا۔ امیر قافلہ نے اپنے فرائض منصبی کو نہایت اعلیٰ طریق سے سر انجام دیا۔ جو ہر ملت مدظلہ العالی نے باقاعدہ یاران طریقت لائلپور کے لئے ایک علیٰحدہ مکان منتخب کیا ہوا تھا جس میں قیام کیا۔ دروازے کے باہر ایک سائن بورڈ آویزاں کیا گیا جس میں تحریر تھا۔ قیام گاہ انجمن خدام الصوفیہ لائلپور" سب سے پہلے اعلیٰ حضرت امیر ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا گیا۔ ازاں بعد حضرت سجادہ نشین صاحب شمس الملت حافظ قاری سید پیر نور حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی خدمت گرامی میں خادمانہ حیثیت سے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ تحائف ذیل پیش کئے گئے

۱۔ دو عدد شامیانے ۱۲ مربع فٹ والے۔ جن میں لائل پور مرقوم تھا۔

۲۔ پارچات قبلہ سید اشرف حسین شاہ صاحب اور سید مقبول حسین شاہ صاحب جن کی شادی مطلوب تھی

۳۔ اور ہر دو صاحبزادگان کی رفیقہ حیات کے لئے طلائی انگوٹھیاں۔

۴۔ دربار عالیہ میں سب سے بلند پایہ بزرگ اور عالی مقام بوبوجی مدظلہا العالی کے پارچات۔

۵۔ سب سے خورد ابوالبصری ثانیہ کے لئے پارچات و دیگر تحائف۔

۶۔ دو درجن پیالی چائے۔ (۷) تیل مٹی

۸۔ ڈبہ جات چائے (۹) دری ایک عدد ۹×۱۱

۱۰۔ سبزی دو بوریاں برائے لنگر شریف ماسوائے ان تحائف کے انجمن خدام الصوفیہ لائلپور کی طرف سے روضہ مطہرہ، جلسہ گاہ، حویلی نئی و پرانی میں ہر جگہ جنریٹر کے ذریعے روشنی کا انتظام اور لاؤڈ سپیکر کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا۔ مسجد نور کو بھی سبز رنگ کی روشنی نے بقعہ نور بنا رکھا تھا۔

۱۱ مئی بروز سوموار رات کے تین بجے اعلیٰ حضرت سجادہ نشین مدظلہ العالی کی طرف سے حاجی غلام جیلانی کی دستار بندی عمل میں آئی۔ اور شیخ غلام جیلانی صاحب پراچہ کو امیر حلقہ کی اجازت دی گئی ہے یہ اعلان حاجی اللہ دو بایا خلیفہ مجاز نے اور صوفی مولوی افتخار احمد صاحب نعت خواں نے حضرت سجادہ نشین کی اجازت سے کیا اور کہا کہ اب یہ انجمن تمام ضلع لائلپور پر حاوی ہونے کا ارادہ کر چکی ہے

اور یہ بھی امید ہے کہ ضلع جھنگ کے ساتھ الحاق کریگی دیگر اضلاع کے لئے انجمن خدام الصوفیہ ایک مثال ہے اس انجمن نے رسالہ انوار الصوفیہ کی بھی معاونت فرمائی ہے لگ ہے گا ہے خریدار مہیا کر کے نقد قیمت تقریباً -/۱۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر قصور عالیجناب مولانا مفتی غلام رسول صاحب گوہر ایڈیٹر رسالہ انوار الصوفیہ کو بھیج دیا گیا ہے یہ وہی رسالہ انوار الصوفیہ ہے جو اعلیٰ حضرت امیر ملت رضی اللہ تعالیٰ کی یادگار عظیم ہے۔ اسی رسالہ میں دربار عالیہ کے حالات اور وہ مضامین تصوف درج ہوتے ہیں۔ جو آپ دیگر کتب رسالہ جات میں کم پائیں گے اسی رسالہ کے مطالعہ سے آپ کے ایمان اور عقیدت کی پختگی ہوتی ہے۔

اس رسالہ میں پروانگان جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقان جناب مجتبےٰ صلعم کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ جس کے مطالعہ سے آپ کے سینے میں عشق اور محبت صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گر ہوتی ہے فقیر کا عقیدہ ہے۔ اگر یہ رسالہ صرف آپ کے گھر پڑا ہے تو پھر بھی تمتع سے خالی نہ رہے گا۔ اس وقت آپ قارئین کی خریداری سے دو فائدے ہوں گے۔

(۱) آپ کی خود اصلاح اور معلومات میں اضافہ۔

(۲) ادارہ کی معاونت اگر فقیر انفرادی حیثیت سے مضامین کے مصنفوں کے نام اور ان کے مضامین کا اقتباس درج کرے تو مضمون طوالت پکڑ جائے گا۔

(احقر العباد: غلام رسول گوہر ایڈیٹر انوار الصوفیہ قصور)

اعلیٰ حضرت شیخ ڈاکٹر محمد اللہ دتہ صاحب کنجاہی (گجرات) کے خلیفہ مجاز کا

حضرت باباجی فیروز خاں صاحب رحمۃ اللہ عنہ کا

سالانہ عرس

بزیر صدارت حاجی الحرمین الشریفین حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب مدظلہ

۱۳ جون ۱۹۶۴ء بروز ہفتہ مقام فیروز آباد ضلع گجرات منعقد ہو رہا ہے لہٰذا

عوام المسلمین خصوصاً یاران طریقت سے التماس ہے کہ جوق در جوق شمولیت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

اراکین انجمن خدام الصوفیہ فیروز آباد (گجرات)

عاشق صادق

اعلحضرت قبلہ میاں جی پیر حاجی محمد عالم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز سرکار علی پوری امیر ملت رضی اللہ عنہ کا

تیرھواں سالانہ عرس مبارک

بمقام جنگل گینڈی کھانہ۔ لال ڈھانگ ضلع بجنور میں باہتمام خادم خاص حضرت میاں جی جناب صوفی احمد بخش صاحب گوجر بتاریخ ۲۰ اپریل ۱۹۶۴ء بروز جمعرات منایا گیا۔

علاوہ برادری کے دیگر مقامات سے بھی ارادت مند و یاران طریقت نے شمولیت فرمائی بعد نماز ظہر ختم قرآن پاک۔ بعد نماز عصر ختم شریف خواجگان۔ بعد نماز مغرب فاتحہ قل شریف ہوئی اور تمام حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔ نماز عشاء کے بعد نعت خوانی کا سلسلہ جاری رہا۔

بعد نماز فجر اعلحضرت حکیم الملت حاجی الحرمین الشریفین قبلہ پیر شیخ صوفی محمد طاہر شاہ صاحب مراد آبادی مدظلہ نے اپنے صوفیانہ انداز میں نہایت جامع تقریر فرمائی اور پند و نصیحت و نماز کے اوصاف پر گہری روشنی ڈالی اور پابندی شریعت کی تاکید فرمائی۔ جس سے حاضرین جلسہ بہت مستفید ہوئے اور محترم جناب حاجی محمد عالم صاحب ثانی گوجر جماعتی نقشبندی کو سلسلہ عالیہ نقشبندی جماعتیہ کی اجازت دی اور دستار خلافت مرحمت فرمائی حاضرین نے مبارک باد کے نعرے بلند کئے۔ بعدہٗ صلوٰۃ و سلام اور دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ اس سفر میں راقم الحروف کو بھی اعلیٰ حضرت قبلہ شاہ صاحب مراد آبادی کے ہمراہ جانے کا شرف حاصل ہوا۔

الراقم محمد عبد الرشید آرشد عفی عنہ مراد آبادی

رسالہ کی توسیع اشاعت میں کوشش کیجئے

کاغذ کی ہوشربا گرانی جو دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ رسالہ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے رسالہ پر شکایت کرنے کی بجائے اس کی مالی امداد اور اس کی اشاعت کو بڑھانے کی طرف دست تعاون دراز کریں۔ جب تک اس کی مالی کمزوری رفع نہیں ہو گی۔ تب تک شکایات کے انسداد کا کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔

"مدیر"

کوٹ غلام محمد خاں قصور

۱۵ / مئی بروز جمعۃ المبارک کوٹ غلام محمد خان حضرت مولانا محمد عبد العزیز مرتضائی نقشبندی کے مکان پران کے پیر و مرشد خواجہ عالم نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس شریف بڑے تزک و احتشام سے ہوا۔ جمعہ کی نماز سے قبل استاذ العلماء فخر احناف علامہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب گوہر جماعتی نقشبندی نے معیت صادقین پر جامع و مانع تقریر فرمائی۔ جس سے حاضرین نہایت متاثر ہوئے اور ہر جانب سے صدائے تحسین بلند ہو رہی تھی۔ اور اکثر حضرات مولانا کے وعظ کے اثر سے حالت وجد میں آگئے۔ آپ کے بعد عارف باللہ صوفی کامل حضرت العلام مولانا محمد عبد العزیز صاحب نے فضائل صوفیا پر تقریر فرمائی۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد نماز عشا کے بعد قریباً دو بجے تک نعت خوانی اور حلقہ ذکر ہوتا رہا۔

محمد عاشق مرتضائی نقشبندی قصور

محترم جناب عالی شیخ ... السلام علیکم! اس پرچہ کے ساتھ آپ کی معیاد خریداری ختم ہو گئی ہے۔ مہربانی کر کے آئندہ سال کے لئے مبلغ ۵/۰۰ روپے ارسال فرمایئں ورنہ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر اطلاع دیں کہ ہمیں آئندہ خریداری منظور نہیں۔

گوھر

بھارت کے خریدار

بھارت کے خریداروں کو چاہیئے کہ سالانہ چندہ جناب حاجی صوفی مولانا محمد طاہر صاحب جماعتی نقشبندی کو مراد آباد محلہ تباکو والا کے پتہ پر ارسال کر کے ڈاک خانہ کی رسید ہمیں روانہ کر دیں تاکہ ان کے نام رسالہ جاری کیا جائے۔

عرس شریف کے موقع پر جن دوستوں نے رسالہ کی مدد کی ان کے اسماء گرامی بصد شکریہ مندرجہ ذیل ہیں۔

جناب شیخ کرم الٰہی صاحب لاہور	مبلغ	۵۰/۰۰ روپیہ
شیخ غلام جیلانی صاحب لائلپور	"	۴۰/۰۰ "
حاجی محبوب علی خاں صاحب لائلپور	"	۱۰/۰۰ "
پیر سید نذیر حسین شاہ صاحب چک نمبر ۵ جنوبی سرگودھا	"	۱۵/۰۰ "
حاجی امام دین ٹریڈنگ مدینہ کمپنی اکبری منڈی لاہور	"	۱۰/۰۰ "

رسالہ اپنی جماعت کا واحد ترجمان ہے اس کی مالی اعانت ہر پیر بھائی کا فرض ہے